مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی
مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶ | محرم الحرام ۱۴۳۷ھ | نومبر ۲۰۱۵ء | شمارہ ۱۱

اجابت الداعی

اطاعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۲۰ روپے زرسالانہ =/۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرّف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

اجابت الداعی

اطاعت النبی ﷺ

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار

۱	جنات کا مقولہ	۱......
۲	اللہ پاک کی تصدیق	۲......
۲	الجواب صحیح کی حقیقت	۳......
۱۲	حضور ﷺ کی بہادری	۴......
۱۳	مسبب الاسباب پر نظر	۵......
۱۴	انبیاء علیہ السلام کا تدابیر اختیار کرنا	۶......
۱۴	شاہ ولی اللہ کی حکایت	۷......
۱۵	حضرت علیؓ کا جواب	۸......
۱۵	متوکل کو بالکل ترک اسباب کی اجازت نہیں	۹......
۱۶	جانوروں کے لئے اختیار اسباب کا حکم	۱۰......
۱۶	توکل و تدبیر کا اجتماع	۱۱......
۱۷	اسباب کی مثال	۱۲......
۱۸	غذا کی تحقیر نہ کرو	۱۳......
۱۸	مضر چیز چھوڑنے میں کیا نیت ہونی چاہیئے	۱۴......
۱۹	خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کی حکایت	۱۵......
۲۰	خلوت اختیار کرنے میں نیت کیا ہو	۱۶......

۱۷.....	ظہور معجزات میں رعایت اسباب	۲۱
۱۸.....	اہلسنت پر حضرات اہلبیت کی محبت نہ ہونے کا شبہ اور اس کے متعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت	۲۳
۱۹.....	انبیاء کا سکوت حجت ہے	۲۴
۲۰.....	حدیث تقریری	۲۴
۲۱.....	احکام شرعیہ پر نکتہ چینی کا مرض	۲۵
۲۲.....	فضول سوالات کے جواب سے احتراز	۲۶
۲۳.....	ہر حکم کی دلیل قرآن سے مانگنا درست نہیں	۲۷
۲۴.....	ہر مسئلہ کو قرآن سے ثابت کرنے کا خبط	۲۸
۲۵.....	ہر مسئلہ کو قرآن سے ثابت کرنے کا بے ڈھنگا انداز	۲۹
۲۶.....	طالب علم کے ہر سوال کا جواب دینے کا نقصان	۳۰
۲۷.....	بعض علماء کے اسرار بتلانے کی وجہ	۳۰
۲۸.....	داعی کے معنی	۳۱
۲۹.....	اکرامِ منادی	۳۲
۳۰.....	خبر واحد پر عمل کرنے کی وجہ	۳۲
۳۱.....	نبوت کے دو دلائل معجزات اور اخلاق	۳۳
۳۲.....	منادی کے ساتھ برتاؤ	۳۴
۳۳.....	احکام الٰہی کی علتیں دریافت کرنے والوں کے لئے جواب	۳۵
۳۴.....	سوال کا جواب	۳۶
۳۵.....	جواب لاجواب	۳۶

۳۶.....	مُسکیت جواب	۳۷
۳۷.....	علم اسرار کے لئے اہلیت کی ضرورت	۳۷
۳۸.....	ہر کام طریقے سے ہوتا ہے	۳۸
۳۹.....	مسائل کی علتیں پوچھنے والوں سے ایک سوال	۳۹
۴۰.....	غیر مسلموں کے احکام کی علل پوچھنے پر جواب	۳۹
۴۱.....	حکایت	۴۰
۴۲.....	کتا پالنے کا فیشن	۴۱
۴۳.....	کیا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو	۴۱
۴۴.....	کتا پالنے کی حرمت کی وجہ	۴۲
۴۵.....	اتباع کی ضرورت	۴۳
۴۶.....	موضوع وعظ کی ضرورت واہمیت	۴۴
۴۷.....	سمع وطاعت اختیار کرو	۴۷
۴۸.....	حکایت	۴۸
۴۹.....	شبہ کا جواب	۴۹
۵۰.....	یہ اعتراض کہ مولوی کسی کام میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوتے	۵۰
۵۱	عوام پر علماء کا اتباع لازم ہے	۵۰
۵۲	توحید کے ساتھ اقرار رسالت بھی ضروری ہے	۵۱
۵۳	منکر رسالت کا رد	۵۲
۵۴	عمل صالح ایمان کے لئے لازم ہے معہ مثال	۵۳
۵۵	ایمان وعمل صالح کا ثمرہ	۵۴

۵۶	جنات کا وجود	۵۵
۵۷	ہر بیماری کو جن کا اثر سمجھنا	۵۶
۵۸	حکایت	۵۷
۵۹	حکایت	۵۷
۶۰	بھوت تو کوئی چیز نہیں لیکن جنوں کے اثر کا انکار نہیں کیا جاسکتا	۵۸
۶۱	ہمزاد کیا ہے؟	۵۹
۶۲	منکرین پر جنوں کے اثر نہ ہونے کی وجہ	۶۰
۶۳	جنات کے جنتی ہونے کی تحقیق	۶۰
۶۴	اعراف کے مکین	۶۱
۶۵	اعراف کے میکنوں کے بارے میں غلط فہمی	۶۳
۶۶	مسلمانوں کی پسندیدہ صفت جو سبب ہے نجات کا	۶۴
۶۷	اتباع اور انقیاد کے منافع	۶۵

وعظ

اجابت الداعی

اطاعت النبی ﷺ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''اجابت الداعی'' شاہی مسجد مراد آباد میں ۲۵/صفر المظفر ۱۳۳۱ھ کو تین گھنٹے آٹھ منٹ تک ارشاد فرمایا جس کو مولانا سعید احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا۔

موضوع تھا کہ سب لوگوں کو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے وارثین یعنی علماء کے بیان کردہ احکام کا اتباع بلا حیل و حجت کرنا چاہیئے جیسے کہ حکومت کے منادی کی بات بلا چون چرا مان لی جاتی ہے چاہے اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ وعظ میں مذکورہ آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ ''اے قوم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو۔ اور اس پر ایمان لاؤ اللہ تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھیں گے''۔

حضور ﷺ اللہ کی طرف سے منادی مقرر کئے گئے ہیں اور علماء آپ کے نائب ہونے کی بنا پر یہ خدمت سرانجام دے رہے اس لئے علماء سے دینی احکام میں معارضہ درست نہیں۔

یہ وعظ انتہائی مفید ہے خصوصا عقل پرستوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

خلیل احمد تھانوی

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوۡا بِہٖ یَغۡفِرۡلَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَیُجِرۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ﴾(۱)

جنات کا مقولہ

یہ ایک آیت ہے سورۂ احقاف کی اور یہ قول نقل کیا گیا ہے بعض جنوں سے جس کا قصہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے اور یہ آیت مکی ہے ہجرت سے قبل یہ واقعہ ہوا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے جو قرآن شروع کیا تو اُدھر سے جن گذرے تھے انہوں نے اُس کو سنا اور چلے گئے مگر اس دفعہ مکالمت (۲) سے مشرف نہیں ہوئے۔ہاں دوسری بار مکالمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔اس دفعہ صرف قرآن سن کر لوٹ گئے اور اپنی قوم کے پاس جا کر قرآن کی تعریف کی اور

(۱) اے قوم اللہ کی طرف بلانا والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھیں گے۔سورہ احقاف:۳۱ (۲) بات چیت کرنے۔

اُس پر ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ سو اُس موقعہ کی یہ ایک آیت ہے اور اُن جنوں کا مقولہ ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا ہے۔ گو ظاہر میں یہ جنوں کا مقولہ ہے۔

اللہ پاک کی تصدیق

لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ جس بات کو نقل کر کے اُس پر حق تعالیٰ انکار نہ فرمائیں تو وہ درحقیقت انہیں کا فرمان ہوتا ہے۔ کیونکہ جب نقل کر کے انکار نہیں کیا تو اُس کو صحیح سمجھا۔

’’الجواب صحیح‘‘ کی حقیقت

تو ایسا ہوا جیسے مفتی فتویٰ لکھے اور کوئی دوسرا لکھ دے الجواب صحیح (۱) تو وہ فتویٰ اس مصدق (۲) کا بھی ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ فتویٰ لکھنے والا ایک نو آموز شاگرد (۳) ہو اور تصدیق لکھنے والا اُستاد ہو تو وہ اس صورت میں تو حقیقۃً اُسی استاد کا فتویٰ ہے اور اصل میں یہاں یہی مثال ہے کہ فتویٰ لکھنے والا ہو ایک نو آموز شاگرد۔ اور مصدق (۴) ہو استاد کیونکہ پہلی صورت میں جہاں مفتی شاگرد مصدق استاد نہیں ہے وہاں تو بعض دفعہ اصل مجیب (۵) زیادہ ہوتا ہے مصدق سے مگر اس صورت میں کہ مفتی نو آموز شاگرد ہے۔ جواب دینے والا اصل میں کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ خود اُس میں متردد ہے (۶) استاد کو اس لئے دکھلاتا ہے تا کہ اُس کی صحت پر اطمینان ہو جائے تو جب اُس نے استاد کو دکھلا لیا اور استاد نے اس پر صاد بنا دیا تو اب اس کو اطمینان ہو گیا تو وہ حقیقت میں استاد کا مضمون ہے کیونکہ جس شان کا یہ مضمون اب استاد کے صاد (۷) بنانے پر ہو گیا ہے پہلے اُس شان

(۱) جواب درست ہے ۱۲ ص (۲) تصدیق کرنے والے کا ۱۲ خ (۳) ایک ایسا شاگرد ہو جو ابھی سیکھ رہا ہو ۱۲ خ (۴) تصدیق کرنے والا ۱۲ ص (۵) جواب لکھنے والا ۱۲ ص (۶) تصدیق سے پہلے اسکو خود اس کے صحیح ہونے میں شک ہے (۷) اس جواب کی تصدیق ص بنا کر کرنے سے ۱۲ خ۔

کا نہ تھا کیونکہ اب حجت ہے اور اس سے پہلے حجت نہ تھا تو جب حجیت کی حیثیت سے دیکھا جاوے گا۔ تو وہ فتویٰ استاد کا کہا جاوے گا نہ کہ شاگرد کا۔ تو اسی طرح جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کا کلام نقل فرمادیں خاص کر ایسے کا کلام جو کہ فی نفسہ حجت نہ ہو جیسے کسی غیر نبی کا کلام اور نقل کر کے پھر اُس کی تصدیق فرمادیں تو وہ کلام حقیقت میں حق تعالیٰ ہی کا کہا جاوے گا۔ اور کسی کلام کو نقل فرما کر سکوت کرنا یہ اُس کی تصدیق ہی کرنا ہے کیونکہ یہ بات غیر ممکن ہے کہ خدا ورسول کسی کے غلط کلام کو نقل کر کے سکوت کریں۔ ہم میں تو دب جانے کا احتمال ہے کہ ضرر کے خوف سے غلط بات پر سکوت کریں مگر خدا ورسول میں تو یہ احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔ خاص کر خدائے تعالیٰ میں کیونکر ظاہر ہے کہ ان کو کوئی کیا ضرر پہنچا سکتا ہے۔

اور حضور ﷺ گو بشر ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ نے فرمادیا ہے: ﴿وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ (کہ وہ احکام کو پہنچانے میں) بس خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کسی اور سے اندیشہ نہیں کرتے۔ قرآن میں دیکھئے اور تواریخ میں بھی کہ کوئی نبی کسی سفاک(۱) کے سامنے بھی لچے ہیں(۲)۔ انبیاء اتنے دلیر ہوتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا۔ کہ فرعون کو ذرا نرمی سے کہنا۔ یعنی اس قدر صاف اور دلیر تھے کہ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو جانے کیا اکھاڑ بچھاڑ کر آتے اور نرمی سے کہنے میں ضرور فائدہ ہوتا ہے گو خاص اس کو نہ ہو۔ مگر دوسروں کو تو یقیناً ہوتا ہے۔ نیز اس میں یہ حجت باقی نہیں رہتی کہ مجھے سوچنے کا موقع نہ دیا اور خدا کو یہ منظور ہے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ(۳) نرمی سے بات کرنے میں یہ مصالح

(۱) خونریز قتل کرنے والا ۱۲ اص (۲) نہیں دبے ۱۲ خ (۳) ''تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے آنے کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے'' (۴) سورہ نساء: ۱۶۵۔

ہوتے ہیں اس لئے یہ فرمایا تھا کہ نرم باتیں کرنا غرض اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کس قدر صاف اور نڈر ہوتے تھے۔

حتی کہ بعض انبیاء کو قتل کی نوبت آئی۔ انہوں نے قتل ہونا گوارا کیا۔ مگر کسی احکام کو نہ چھپایا۔ حالانکہ اوروں کے لئے اجازت بھی ہے کہ ایسی حالت میں چھپالیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ یعنی جو شخص کہ کلمہ کفر پر مجبور کیا جاوے اور قلب اُس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو وہ اس عہد سے مستثنٰی ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ پس اُس وقت سے اس کی اجازت ہوگئی کہ ایسی حالت میں ایمان کو چھپالیں۔ سوامت کو تو اس کی اجازت دے دی گئی۔ گو واجب نہیں کیا گیا۔ لیکن انبیاء کو ایسی حالت میں بھی اجازت نہیں کہ کوئی حکم چھپائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾(۱) یعنی (تبلیغ احکام میں) وہ صرف خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے تا کہ ڈر کی وجہ سے تبلیغ میں کچھ کوتاہی کرنے کا شبہ نہ ہوسکے اور تبلیغ کی قید ترجمہ میں اس لئے لگائی کہ یہ مقتضائے مقام ہے نہ اس لئے کہ غیر تبلیغ میں ڈرتے ہیں کیونکہ انبیاء کسی وقت میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے معمولی اوقات میں بھی اُن کو اندیشہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ واقعات سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے مگر آپ ذرا بھی نہیں گھبرائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری

چنانچہ ایک سفر میں حضور کو یہ واقعہ پیش آیا کہ دوپہر کو آرام فرمانے کے لئے

(۱) سورہ احزاب: ۳۹۔

ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے صحابہ آپ سے ذرا فاصلہ پر تھے اتفاق سے ایک کافر کا اُدھر سے گذر ہوا۔ اُس نے اس موقع کو بہت ہی غنیمت سمجھا کہ حضور ﷺ تنہا سو رہے ہیں اور تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ بس اس وقت جو ہو سکے کر لینا چاہیئے۔ مگر اُس کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور تلوار پر حضور ﷺ نے قبضہ کر لیا تو سخت مشکل ہوگی پھر اپنی ہی جان بچانی دشوار ہوگی۔ اس لئے اُس نے پہلے آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا پھر حضور ﷺ کو جگایا۔ اور کہا من یمنعك منی کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچاوے گا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ شجاع سے شجاع(۱) آدمی بھی گھبرا جاتا۔ کیونکہ اول تو ننگی تلوار سر پر دیکھ کر آدمی ویسے ہی بدحواس ہو جاتا ہے خاص کر جب نیند سے جاگ کر ایسا واقعہ ہو وہ وقت کتنا وحشت(۲) کا ہوتا ہے۔ مگر آپ پر ذرا بھی وحشت کا اثر نہیں آیا اور آپ نے بالکل بیدھڑک جواب میں فرمایا کہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ بچاویں گے۔

مسبب الاسباب پر نظر

کیونکہ آپ کو تو پورا بھروسہ تھا خدا تعالیٰ پر ہم تو اسباب کو دیکھتے ہیں اور آپ کی نظر تھی مسبب پر پھر آپ کو اُس سے کس طرح خوف ہو سکتا تھا۔

عقل در اسباب می دارد نظر — عشق می گوید مسبب را نگر(۳)

اس کی ایسی مثال ہے کہ گنوار آدمی تو انجن کو دیکھتا ہے اور جاننے والا انجن کو نہیں دیکھتا وہ ڈریور کو دیکھتا ہے۔ اب اگر ڈریور کہدے کہ تم فلاں جگہ آ کر لین پر ٹھیر جانا میں انجن کو روک دوں گا۔ تو اُس شخص کو لین پر ٹھیر جانے میں کچھ بھی خوف نہ ہوگا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام چونکہ مسبب کو دیکھتے ہیں اس لئے اُن کو

(۱) بہادر سے بہادر آدمی (۲) گھبراہٹ (۳) یعنی عقل تو اسباب پر نظر رکھتی لیکن عشق مسبب کو دیکھتا ہے ۱۲ ص۔

دوسروں سے نہ فکر ہوتی ہے نہ تردد نہ اندیشہ۔

انبیاء علیہ السلام کا تدابیر اختیار کرنا

اب یہ بات کہ جب اُن کو کسی سے ڈر نہیں ہے تو پھر اپنی حفاظت کیوں کرتے ہیں جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ آپ جنگ میں زرہ پہن کر تشریف لے جاتے تھے تو سمجھ لو کہ جو سبب ہے نہ ڈرنے کا وہی سبب ہے حفاظت اور تدبیر کا وہ جیسے حق تعالیٰ کے وعدے کو سچا سمجھتے ہیں اُن کے حکم کو بھی واجب العمل سمجھتے ہیں۔ جب اُن کا حکم ہوا کہ زرہ پہن کر تشریف لے جایئے تو زرہ پہن لی تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کی نظر اسباب پر تھی بلکہ حق تعالیٰ نے چونکہ تدبیر کو مشروع کیا ہے۔ اس لئے آپ تدبیر کی رعایت فرماتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ جیسے حق تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ کوئی کچھ نہ کر سکے گا آپ اندیشہ نہ کریں اسی طرح یہ بھی حق سبحانہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے کہ اپنی حفاظت کے لئے تو انبیاء تدبیر مشروع، محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور انبیاء کی تو بڑی شان ہے اس کو تو اولیاء بھی سمجھتے ہیں۔ اسباب کے اختیار کرنے میں ان کی بھی یہی نیت ہوتی ہے۔ بلکہ غلبۂ حال سے اگر کوئی اسباب کو چھوڑ بھی دیتا ہے تو غیب سے اُس کی اصلاح ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی حکایت

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے۔ کہ مجھ کو تین باتوں پر مجبور کیا گیا جو طبعاً مجھ پر گراں تھیں۔ مگر حکم مقدم ہے طبع پر ایک تمسک بالاسباب (۱) دوسرے عدم خروج عن المذاہب الاربعہ (۲) تیسرے علی کرم اللہ وجہ پر شیخین کی تفضیل (۳) اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے میں ایک

(۱) اسباب کو اختیار کرنا (۲) مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سے خارج نہ ہونا ۱۲ اص (۳) یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی کرم اللہ وجہ پر فضیلت دینا ۱۲ اص۔

تو شان افتقار (۱) کہ ہم حق تعالیٰ کے اس درجہ محتاج ہیں کہ اُن کے مقرر کیئے ہوئے اسباب سے بھی بے نیاز نہیں ہیں دوسرے اس میں پردہ داری ہے کہ عوام کو خبر نہیں ہوئی کہ متوکل ہیں۔ اسباب کا اختیار کرنا توکل میں پردہ ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ کیا متوکل ہیں۔ نوکری کر رکھی ہے۔ مباشرت اسباب ہے (۲) دو مصلحتیں تو یہی ہیں اور اُن کے علاوہ اور خدا جانے کیا کیا مصلحتیں ہونگی۔ پس اسباب کو ہرگز ترک نہ کرنا چاہیئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ سے ایک ملحد نے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ بیوقت موت نہیں آتی آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اُس نے کہا کہ جب آپ کا یہ عقیدہ ہے تو پھر چھت کے اوپر سے کودیئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی جانچ کرنا بھی بے ادبی ہے۔ یہ تو خدا کی جانچ ہے۔ ہاں البتہ اگر اتفاق سے گر پڑیں گے۔ تو گرتے وقت یہ عقیدہ لیکر چلیں گے کہ اگر اس وقت موت نہیں تو ہم مر نہیں سکتے۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ تدبیر کی مزاحمت کرنا ٹھیک نہیں تدبیر ہو اور اُس کے ساتھ توکل۔

گر توکل مے کنی درکار کن کسب کن پس تکیہ برجبار کن (۳)

متوکل کو بالکل ترک اسباب کی اجازت نہیں

حتیٰ کہ جو تارک اسباب ہیں اُن کے لئے بھی مطلق ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اُس میں تفصیل کی ہے بعض اسباب کے ترک کی اجازت

(۱) احتیاج ۱۲اص (۲) اسباب اختیار کرنے میں (۳) اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو یعنی کسب اور کام کرو۔ اور اُن کے اثر بخشنے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو ۱۲اص۔

ہے اور بعض کی نہیں مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو ترکِ اسباب کرے اُس کو دروازہ بالکل بند کر کے بیٹھنا جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ پس دروازہ بند کرنا متوکل کے لئے بھی ناجائز ہے۔ دروازہ تو کھلا رہے ہاں کواڑوں پر نظر نہ ہو۔ نظر صرف حق تعالیٰ پر ہو۔ لیکن ان دونوں باتوں کا جمع کرنا یہ ہے بہت دشوار ہر شخص کا کام نہیں ہے ۔

بر کفِ جامِ شریعت بر کف سندان عشق ہر ہوسناکِ نداند جام سنداں باختن (۱)

جانوروں کے لئے اختیار اسباب کا حکم

مباشرت اسباب (۲) کا حکم انسان کے واسطے تو ہے ہی خدا نے تو یہاں تک اس کی رعایت کی ہے کہ جانور جو کھاتے ہیں اُن کو بھی اسباب ہی کے واسطے سے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم خدا پر نظر کرو تو تم کو ایسا رزق ملے کہ جیسے پرندوں کو ملتا ہے تغد و خماصا وتروہ بطانا صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے آتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ تدبیر کی طرف یہاں بھی اشارہ ہے کہ گھونسلہ سے نکلنا اُن کے لئے بھی شرط ہے تو جب رزق جانوروں کو بھی تدبیر ہی کے واسطے دیا جاتا ہے۔ تو خیال فرمائیے تدبیر کو کون باطل کرسکتا ہے۔ آخر وہ بھی تو سرکاری اوزار ہے پھر اُس کو معطل کرنے کی کب اجازت ہوسکتی ہے۔

توکل و تدبیر کا اجتماع

پس جب توکل بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور تدبیر بھی تو دونوں جمع کرنا چاہیئے۔ اب یہ بات کہ کس طرح سے جمع ہو۔ یہ ہر ایک کے لئے جدا ہے جیسی کسی میں قابلیت ہوگی اُسی کے موافق اُس کو اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے۔ متوکل کیلئے

(۱) شریعت اور عشق دونوں کے مقتضی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ۱۲ص (۲) اسباب میں لگ جانا۔

اُس کے مناسب اور اہلِ اسباب کے لئے اُن کے موافق مگر اسباب ہوں ضرور بلا اسباب کے کام نہیں چل سکتا۔ ہاں کسی سے کرامت یا معجزے کے طور پر بلا اسباب ہی کے کوئی کام ہوجاوے تو دوسری بات ہے مگر وہ معمول نہیں ہوسکتا۔ زیادہ اسباب نہ ہوں تو اتنا ہی ہو کہ کواڑ کھول دے۔ مگر آمدورفت والوں پر نگاہ نہ ہو۔

اسباب کی مثال

اُس کی ایسی مثال ہے کہ تنخواہ دیتی تو ہے سرکار مگر ملتی ہے خزانچی کے ہاتھ سے تو نظر سرکار پر ہوگی خزانچی پر نہ ہوگی کیونکہ وہ تو محض محکوم ہے اپنے اختیار سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ اب اگر کوئی حاکم خزانچی کو روک دے تو تنخواہ مل چکی۔ بس تنخواہ دینے والی سرکار ہے اور خزانچی محض واسطہ ہے لہٰذا خزانچی سے نہ بعید ہونا جائز، نہ اُس پر نظر کرنا جائز نظر اُسی دینے والے ہی پر کرو۔ غرض اسباب کی رعایت تو سب کے لئے ضروری ہے البتہ اُس کے درجات متفاوت[1] ہیں اہل اسباب کے لئے اور درجے کے اسباب ہیں اور متوکل کے لئے اور درجے کے اسباب ہیں۔ تو اسباب اور تدبیر چونکہ مشروع ہیں اس وجہ سے حضور ﷺ جنگ میں زرہ پہنتے تھے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی سو آپ توکل اور تدبیر دونوں کو جمع فرماتے تھے اور واقعی تدبیر کو کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے خوان لگا ہے[2]۔ اس میں توکل بھی ہے تدبیر بھی ہے قسم قسم کی نعمتیں اس میں موجود ہیں۔ پس سب ہی سے منتفع[3] ہونا چاہئے یہ نہیں کہ ایک کو لے کر دوسری کو چھوڑ دیں۔ دیکھو اگر کوئی حاکم ہماری دعوت کرے اور چار طرح کے کھانے دسترخوان پر لگائے اور ہم اُن میں سے بعض

(۱) جدا جدا (۲) اللہ کا دسترخوان ہے جس پر توکل اور تدبیر دونوں نعمتیں جمع ہیں (۳) فائدہ مند ہونا۔

کھائیں اور بعض نہ کھائیں تو اس پر ضرور عتاب ہوگا۔

غذا کی تحقیر نہ کرو

ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ روٹی کھا رہے تھے۔ اُس میں ایک ٹکڑا جلا ہوا تھا۔ اُس کو اُٹھا کر انہوں نے علیحدہ رکھ دیا۔ فوراً آواز آئی کہ کیوں صاحب کیا یہ فضول ہی بنا ہے۔ تمام آسمانوں کو چکر ہوا فرشتوں کو چکر ہوا کرہ ہوا کو حرکت ہوئی۔ تب یہ بنا آپ کے نزدیک یہ فضول ہی ہے یہ آواز سن کر وہ بزرگ ڈر گئے۔ اور اُس جلے ہوئے ٹکڑے کو بھی کھالیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جلے ہوئے ٹکڑے بھی کھایا کرو کیونکہ ہم کو اجازت دی ہے کہ جو مضر ہو اُس کو نہ کھائیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اُس کو حقیر نہ سمجھو غرض یہ کہ اُس کا تو اختیار ہے کہ جو مضر ہو اُس کو نہ کھاؤ۔ لیکن حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔ جیسے کہ اگر کسی کے ہاتھ سے ٹکڑا گر جاتا ہے تو اُس کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ اگر ہم اس کو کھالیں گے تو لوگ ہم کو ندیدہ(۱) کہیں گے تو لوگوں کے ندیدہ سمجھنے کی پراہ نہ کرنی چاہیئے بلکہ یوں سمجھو کہ ہاں ہم ندیدہ(۲) ہیں۔ جب حق تعالیٰ ہی کو یہ پسند ہے کہ ہم اُن کی نعمتوں کے ندیدہ ہوں تو پھر ہم کیوں ندیدہ نہ ہوں ۔

چون طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرقِ قناعت بدا زیں(۳)

مضر چیز چھوڑنے میں کیا نیت ہونی چاہیئے

اور جو چیز تم کو مضر ہو اس کو بھی اگر چھوڑ دو تو یوں سمجھو کہ یہ تو فی نفسہ بڑی نعمت ہے لیکن ہم اس کے متحمل نہیں ہیں یہ دقیق ادب ہے۔

(۱) بھکنا کہیں گے (۲) ہم بھکنے ہیں (۳) یعنی جب حق تعالیٰ ہی ہم سے طمع کے خواہاں ہوں تو پھر قناعت پر خاک ڈالنی چاہیئے ۱۲ص۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کی حکایت

مجھے ایک حکایت یاد آئی خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گذری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی کھاتے تھے اور بغیر چھانے ہوئے۔ بس یہ طریقہ تھا کہ آٹے میں پھونک مار کر بھوسی اُڑا دی جو رہ گیا اُس کی روٹیاں پکالیں حضور کے ہاں چھاننے کا طریقہ نہ تھا۔ جب آپ نے یہ حدیث دیکھی تو خدام سے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جو کا آٹا بے چھنا ہو۔ یہ چھانا خلاف سنت ہے پس آج سے چھانا نہ جاوے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا گیا اور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی پکائی گئی۔ مگر اُس کو جو کھایا تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اب یہ وقت ہے امتحان کا کوئی بے ادب تو یہ کہتا کہ اچھا اتباع سنت کیا۔ جس سے یہ تکلیف ہوئی مگر وہ لوگ نہایت مؤدب تھے کہنے لگے کہ درحقیقت ہم نے بے ادبی کی حضور کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا۔ کہ ہر عمل میں کمال حاصل کرنا چاہا اور ہم نے کامل اتباع سنت کا دعویٰ کیا ابھی ہم اس قابل نہیں۔ ہم ضعیف ہیں ہم کو رخصت پر عمل کرنا چاہیئے۔ پس آٹا تو جَو ہی کا ہو لیکن چھنا ہوا ہم کو حضور سے ایک درجے نیچے ہی رہنا چاہئے۔ سبحان اللہ کیا احترام ہے اب مسلمانوں سے یہ بات کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ تو بہت دقیق ادب (۱) تھا۔ اب تو بہت موٹے موٹے موقع پر استخفاف (۲) کرتے ہیں۔ اور تحقیر کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ادب کیا کہ سنت میں کسی طرح کی کمی نہیں نکالی بلکہ خود اپنے اندر ضعف سمجھا۔

---

(۱) بہت باریک بات تھی (۲) خفیف جاننا ۱۲ اص۔

خلوت اختیار کرنے میں نیت کیا ہو

مجھے صوفیہ کا اسی کے مناسب ایک لطیفہ نہایت پسند آیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خلوت اختیار کرے تو اُس میں دوسروں کے ضرر سے بچنے کی نیت نہ کرے۔ بلکہ یہ نیت رکھے کہ میں اپنے شر سے خلقت کو بچاتا ہوں اپنے کو سانپ سمجھ کر بھٹ میں رکھے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو ہم سے دوسروں کو زیادہ تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو دشمن کو دوست بنانے کا نسخہ بتایا ہے۔ کہ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾(۱) یعنی نرمی سے پس یکایک کہ وہ شخص کہ تمہارے اور اُس کے درمیان عداوت تھی ایسا ہوجاوے گا کہ مخلص دوست ہے۔ تو جب ایسا نہیں ہوا اور پھر بھی وہ تمہارا دشمن ہی رہا۔ تو معلوم ہوا کہ ہم سے اُس کو کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ یا آئندہ کسی ضرر کا اندیشہ ہے بہرحال سبب اُس کی عداوت کا جو ہے وہ ہم سے ضرر پہنچنا ہے(۲)۔ خواہ وہ ضرر بالفعل ہو یا بالقوہ(۳) پس ثابت ہوا کہ زیادہ تکلیف ہم ہی سے دوسروں کو پہنچتی ہے۔ تو جب یہ بات واقع کے مطابق ہے تو سمجھ لے کہ میں چونکہ صاحب شر ہوں اس واسطے خلوت اختیار کرتا ہوں تاکہ مخلوق میرے شر سے مامون(۴) ہوجاوے۔ خلاصہ یہ کہ نقص(۵) اپنے اندر سمجھے نہ دوسروں میں تو جیسے صوفیہ کی یہ تعلیم ہے۔ اسی طرح خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں کہ سنت میں کوئی کمی ہے بلکہ اپنے کو ضعیف اور غیر متحمل فرمایا پس اسی طرح ہم کو بھی مضر چیز کے چھوڑنے میں بھی نیت کرنی چاہئے۔ کہ ہم ضعیف ہیں بہرحال ایسی شے کے ترک کی اجازت تو ہوئی خواہ

---

(۱) آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجاویگا جب کوئی ولی دوست ہوتا ہے (سورۃ السجدہ: ۳۴) (۲) نقصان پہنچتا ہے (۳) چاہے یہ نقصان اسی فعل سے ہو یا آئندہ ہونے کا احتمال ہو (۴) میرے شر سے بچ جائے (۵) کمی ۱۲ص۔

تم میں تضرر (۱) کا مادہ زیادہ ہو یا اُس میں اضرار (۲) کا مادہ ہو۔ باقی محض شان اور تفاخر کے لئے کسی چیز کا چھوڑ دینا یہ سمجھ کر کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے جائز نہیں۔ چنانچہ بعضے لوگ اس خیال سے انگلیاں نہیں چاٹتے کہ یہ خلاف تہذیب ہے حالانکہ یہ سنت ہے۔ تو ایسا سمجھنا نرا تکبر ہے پس اس خیال سے کسی چیز کا چھورنا ہرگز جائز نہیں ہاں اگر مضر ہو تو چھوڑ دو اور اگر چھوڑنے میں کوئی ادب کی نیت نہ ہو تو مضر ہی ہونے کی نیت سہی ہم لوگوں کے لئے یہ بھی کافی ہے اور بڑے لوگوں کی حالت دوسری ہے۔ اُن کو ہر بات میں ادب کی رعایت لازم ہوتی ہے۔ اگر اُن سے ذرا بھی کوتاہی ہوتی ہے۔ تو اُس پر مواخذہ ہوتا ہے۔ غرض یہ مضمون تو استطراداً بیان ہوگیا۔ میں یہ بیان کررہا تھا کہ اُن بزرگ پر جلے ہوئے ٹکڑے چھوڑنے پر عتاب ہوا پس وہ اُس سے کب خوش ہونگے۔ کہ تدبیر جو اُن کے لئے ایک بڑی بھاری نعمت ہے اُس کو بالکل چھوڑ دیا جاوے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تدبیر حق تعالیٰ نے مشروع کی ہے ہر کام کے اندر تدبیر کی رعیات رکھی ہے۔

ظہور معجزات میں رعایت اسباب

حتی کہ معجزات بھی جو کہ بلا اسباب ہوتے ہیں اکثر صورۃً اُن کا بھی اقتران (۳) اسباب ہی سے ہوتا ہے۔ گو وہ اسباب موثر نہیں ہوتے مگر اقتران اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں موجود ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کی دعوت کی انہوں نے غزوۂ خندق میں دیکھا تھا کہ حضور ﷺ کو کچھ بھوک لگی ہے۔ بس وہ جا کر اپنی بیوی سے کھانا پکانے کو کہہ آئے اور آ کر حضور سے عرض کیا کہ میں نے آپ کے لئے کچھ کھانا تیار کرایا ہے۔ تشریف لے چلئے آپ نے

(۱) نقصان پانا ۱۲ اص (۲) نقصان دینے کا مادہ ۱۲ (۳) ملنا نزدیک ہونا ۱۲ اص۔

صحابہ سے فرمایا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت کی ہے۔ اُن کے یہاں کھانے کے لئے چلو یہ سنکر حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے۔ کیونکہ انہوں نے کھانا تھوڑا ہی تیار کرایا تھا۔ اور آکر بیوی سے کہا کہ حضور مع صحابہ کے تشریف لا رہے ہیں۔ اور کھانا ہے تھوڑا اب کیا کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا کہ تم گھبراؤ نہیں۔ حضور کو ہماری حالت خوب معلوم ہے۔ آپ نے کچھ سمجھ ہی کر صحابہ کو ساتھ لیا ہوگا۔ غرض آپ تشریف لائے اور اپنا لعاب دہن آٹے میں اور ہنڈیا میں ڈالدیا۔ پھر فرمایا کہ اب پکانا شروع کرو۔ غرض روٹیاں پکتی گئیں اور سب لوگ کھاتے گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تمام آدمی کھا چکے اور جتنا کھانا تھا اُس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ یہ معجزہ ہے۔ لیکن اس میں بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر دعا فرماتے کہ ویسے ہی روٹیاں پیدا کردے تو کیوں قبول نہ ہوتی ضرور ہوتی چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء ''اے رب! آسمان سے ہم پر مائدہ نازل کیجئے'' اور وہ قبول ہوئی تھی تو اسی طرح اگر حضور دعا فرماتے تو روٹیاں یہاں بھی غیب سے آتیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ انہیں روٹیوں میں سے نکلیں اور اسی سالن میں سے تو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں کی آپ نے کتنی رعایت کی ہے کہ معجزہ میں بھی ایک گونہ تدبیر کی رعایت فرمائی تو چونکہ تدبیر خدا تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی ہے اس وجہ سے حضور جنگ میں زرہ پہنتے تھے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی۔ غرضکہ اُس کافر نے جب آپ سے کہا کہ من یمنعک منی ترجمہ: ''اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائیگا'' تو آپ نے بیدھڑک فرمایا کہ اللہ اس کہنے سے اُس کافر کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پس حضور نے تلوار اُٹھالی اور فرمایا کہ من یمنعک منی کہ اب تجھے میرے

ہاتھ سے کون بچائیگا۔ مگر اُس کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ بچائیں گے اُس کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ یہ جواب دے حالانکہ اگر وہ یہ کہہ دیتا تو کیا اللہ تعالیٰ کا نام سن کر آپ اس کو قتل کرتے ہرگز نہیں اور آپ کی تو بڑی شان ہے۔

اہلسنت پر حضرات اہلبیت کی محبت نہ ہونے کا شبہ اور اس کے متعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

بعض اولیاء اللہ کی آپ کو حکایت سناتا ہوں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہم ہوا کرتا تھا کہ حضرات اہلِ بیت سے مجھے محبت نہیں ہے۔ اور اکثر اہلِ سنت کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے بھی کہ ان کو جتنی محبت صحابہ سے ہے اُتنی اہلِ بیت سے نہیں ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے یہ شبہ کیا بھی تھا۔ میں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صحابہ کے منکر تو ہیں۔ اس لئے اُن کی نصرت اور حمایت میں اہتمام کیا جاتا ہے اور اہلِ بیت کے منکر نہیں۔ اس لئے اُن کے متعلق اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت نہیں تو جیسے اکثر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو بھی یہ خیال ہوا اور اسکی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے صحابہ کی شان میں گستاخی کی آپ سن کر غصہ سے بیتاب ہوگئے اور تلوار نکال کر چاہا کہ اُس کا کام تمام کردیں۔ اُس نے کہا کہ امام حسینؓ کے واسطے مجھ کو چھوڑ دو۔ بس امام حسینؓ کا نام سن کر آپ کی یہ حالت ہوئی کہ بدن پر لرزہ پڑ گیا اور پھر اُس پر ہاتھ اُٹھ نہ سکا۔ اس سے آپ کو تسلی ہوئی کہ مجھ کو اہل بیت کے ساتھ بھی محبت ہے۔ تو جب امام حسینؓ کا نام سنکر حضرت مرزا صاحب کی یہ کیفیت ہوئی تو کیا خدا کا نام سن کر حضور اُس کو قتل کردیتے کبھی نہیں۔ اور یہ

اُس کو بھی معلوم تھا۔ مگر چونکہ اُس کے دل میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ نہ تھا اس وجہ سے اُس کی زبان سے بھی نہ نکلا۔ غرض یہ حالت تھی انبیاء کی شجاعت کی کہ ایسے سخت سخت موقعوں میں بھی ذرا نہ ڈرتے تھے۔ حالانکہ اُس وقت تبلیغ کا وقت بھی نہ تھا۔

انبیاء کا سکوت حجت ہے

تو اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ تبلیغ کے اندر وہ کسی سے کیا اندیشہ کریں گے پس اگر اُن کے سامنے کسی کا قول نقل کیا جاوے اور وہ ساکت (۱) ہوجاویں تو اُن کا سکوت اس وجہ سے ہوگا کہ وہ قول اُن کے نزدیک صحیح ہے اُن کی نسبت دب جانے کا احتمال ہرگز نہیں ہوگا۔ غرض یہ مسئلہ ثابت ہے کہ اگر خدا اور رسول اگر کسی کلام پر سکوت فرماویں تو وہ دلیل اُس کی صحت کی ہے۔

حدیث تقریری

چنانچہ جس کو حدیث تقریری کہتے ہیں وہ یہی ہے کہ اگر کسی بات کو دیکھ کر حضور ﷺ انکار نہ فرماویں تو محدثین اُس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے اور اسی طرح اگر خدا تعالیٰ نقل فرما کر انکار نہ فرماویں تو وہ خدا تعالیٰ ہی کا قول ہے۔ پس یہ مقولہ گو جنوں کا ہے مگر جب حق تعالیٰ نے نقل فرما کر انکار نہیں فرمایا تو یہ حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہوا۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ شاید ترجمہ دیکھ کر کسی کو شبہ ہو کہ استدلال جنوں کے قول سے کیا ہے تو سمجھ لو کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کا قول ہے۔ غرض وہ جن قرآن سنکر اپنی قوم کے پاس گئے اور جا کر وہ مقولہ کہا جو یہاں مذکور ہے اور اب وہ ارشاد ہوگیا خدا تعالیٰ کا تو فرماتے ہیں کہ کہنا مانو خدا کی طرف سے پکارنے والے کا آگے اجیبو (۲) کی تفسیر ہے کہ آمنوا بہ تصدیق کرو آپ کی یہ نہیں کہ

(۱) خاموش (۲) کہنا مانو ۱۲ اص۔

زبان سے کہہ لیا کہ ہاں صاحب اور آگے کچھ بھی نہیں۔ بہت سے لوگوں کی اجابت اسی قسم کی ہوتی ہے کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن جب احکام سنے تو ہٹنے لگے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ اٰمنوا بہ کہ دل سے مانو اگر ایسا کروگے تو کیا ثمرہ ملے گا۔ یہ ملے گا کہ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ تمہارے گناہوں کو بخشد یں گے وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ اور تم کو دردناک عذاب سے پناہ دیں گے۔ یہ مضمون گو ظاہراً اس مجلس کے مناسب نہ تھا اس لئے کہ آیت میں تو خطاب اُن کو تھا جو ایمان نہیں لائے تھے اور یہاں تو سب مومن ہی ہیں۔ مگر میں نے اس کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ مجھے لفظ داعی سے ایک مرض کا آزالہ کرنا ہے جو بعض مومنوں میں بھی ہے۔

احکام شرعیہ پر نکتہ چینی کا مرض

وہ یہ کہ آجکل احکام شرعیہ میں نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ بعض تو کرتے ہیں اُن کو احکام اجتہاد یہ سمجھ کر، رد کرنے کے لئے اور بعض محققانہ طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہر چیز کی فلسفی اور راز معلوم کرنا چاہتے ہیں اور علماء کو مکلّف کرتے ہیں کہ احکام کے اسرار بتلائیں۔ اور یہ مرض عام ہورہا ہے مگر اس کا الزام جیسا زیادہ حصے میں مریض پر ہے تھوڑا سا طبیب پر بھی ہے کیونکہ مرض بڑھتا ہے کبھی تو مریض کی بد پرہیزی سے اور کبھی طبیب کی بیجا رعایت سے مثلاً اگر کسی کو مٹھائی مضر ہو اور مریض کی درخواست پر طبیب اُس کو مٹھائی کی اجازت دیدے تو ظاہر ہے کہ مرض بڑھے گا اور ایسی رعایت یا تو اپنی مصلحت سے ہوگی یا اخلاق کی وجہ سے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بڑے سخت ہیں۔ اس الزام سے بچنے کے لئے طبیب کہے کہ اچھا بھائی کھالو سو خوب سمجھ لو کہ طبیب کو اس کی کچھ پروانہ کرنی چاہئے کہ مجھے کوئی خوش اخلاق کہے گا یا نہیں پس طبیب اگر اس قصد سے مریض کو مضر چیز کی اجازت دیدے تو مرض

بڑھنے کا الزام خود اُسی پر ہے اور اگر یہ قصد نہیں بلکہ وہ اس کو مضر نہیں سمجھتا تو وہ اس قسم کی تو غلطی نہیں ہوگی۔ مگر طبابت کی غلطی ضرور ہوگی۔

فضول سوالات کے جواب سے احتراز

اب سمجھئے کہ میرا مقصود اس وقت بیان کرنا یہ ہے کہ عوام نے تو یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ ہر چیز کے اسرار تلاش کرتے ہیں خواہ اُن کا مقصود اس سے کچھ ہی ہو رد کرنا ہو یا تحقیق اور علماء نے اپنے اخلاق سے اُن کے ساتھ چلنا شروع کیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے پوچھا وہ بتلانے لگے یہ کہنا ہی نہیں جانتے کہ یہ سوال فضول ہے۔ تو اس کے دو سبب ہیں اور دونوں میں غلطی ہے کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر میں نے اس کو تسلی کا جواب نہ دیا اور کہدیا کہ یہ سوال فضول ہے تو یوں سمجھے گا کہ علماء کچھ نہیں جانتے مجھے سمجھا نہ سکے۔ اس خیال کا اثر اچھا نہ ہوگا۔ تو علماء اس مصلحت کے خیال سے عوام کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اور یہ علماء کی وہ نیت ہے کہ ممکن ہے کہ دینی نیت ہو۔ یعنی اُن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر میں نہ بتلاؤں تو دین کا ضرر لازم آئیگا۔ اس لئے ایسا کرتا ہوں تو سمجھ لو کہ اگر کوئی جاہ کے لئے ایسا کرتا ہے وہ تو بُرا ہے ہی۔ لیکن اگر دینی مصلحت کی نیت سے کرتا ہے۔ جب بھی غلطی ہے کیونکہ حفظت شیئا وغابت عنك شیئا (۱) اس مصلحت کی رعایت سے دوسری دینی خرابیاں جو پیدا ہوتی ہیں اُن کو بھی تو دیکھنا چاہئے وہ یہ کہ ایسا کرنے سے باب سوال وسیع ہوتا ہے اور اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ بھی تحمل نہ کرسکیں گے یعنی جب آپ نے اُن کو ہر بات کا جواب دے دے کر اور اسرار بتلا بتلا کر عادی کردیا سوال کا تو ممکن ہے کہ کل وہ یوں کہیں

(۱) تمہاری ایک مصلحت کی رعایت سے بہت سی مصلحتیں فوت ہوگئیں ۱۲ص۔

کہ زکوۃ چالیسواں حصہ کیوں مقرر ہوئی تو اُس وقت آپ کو بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ تو ہم کو معلوم نہیں اور یہ سوال فضول ہے تو جب آخر ایک مرتبہ یہ کہنا ہی ہے تو ایسے سوال کی کیوں نوبت آنے دیجئے۔ ابھی سے کیوں نہ ایسا کیجئے اور اُس وقت اُن کو عادی بنا کر اس طرح کہنے میں تو بڑی مشکل ہوگی۔ اُس وقت تو اُن کو یقین ہو جائیگا کہ آپ اُس کی مصلحت نہیں جانتے ورنہ جیسے اور چیزوں کی مصلحتیں بتلائی تھیں۔ اُس کی مصلحت بھی بتلا دیتے۔

ہر حکم کی دلیل قرآن سے مانگنا درست نہیں

اور اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ہر حکم کی دلیل قرآن سے طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ داڑھی کے متعلق ایک استفتاء چھپا تھا کہ داڑھی رکھنا قرآن سے ثابت کرو میں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ قرآن ہی سے ثابت ہو۔ ضرورت تو دلیل صحیح کی ہے۔ خواہ قرآن سے ہو یا حدیث سے یا قیاس سے یا اجماع سے کیونکہ یہ چاروں ادلہ شرعیہ ہیں تو جس دلیل سے بھی ثابت کر دیا جاوے اُس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس دلیل سے نہیں فلان دلیل سے ثابت کرو جیسے عدالت کے گواہ کہ وہاں ضرورت اس کی ہے کہ معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کیا جائے۔ پس جب معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کر دیا تو مدعا علیہ اگر یوں کہے کہ میں تو ان کی گواہی نہیں جانتا فلاں ہی شخص گواہی دے گا تو مانوں گا تو یہ بات اُس کی ہرگز نہیں سنی جائے گی۔ کیونکہ گواہ معتبر ہونے چاہئیں یہ کیا واہیات کہ گواہ ہیں تو معتبر مگر میں تو اُن کی نہیں مانتا تو اسی طرح شرعی ادلہ گواہ ہیں۔ ہم کو اختیار ہے کہ خواہ قرآن سے ثابت کریں خواہ حدیث سے۔ خواہ قیاس سے۔ خواہ اجماع سے۔ سائل کو حق نہیں ہے کہ وہ فرمائش کرے کہ قرآن ہی سے ثابت کرو۔

ہر مسئلہ کو قرآن سے ثابت کرنے کا خبط

اور سائلوں کو خبط ہے ہی مجیبوں (۱) کو بھی خبط ہے وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر بات کو قرآن سے ثابت کردیں۔ چنانچہ ایک صاحب ملے کہنے لگے کہ مجھ سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ داڑھی کا ثبوت قرآن سے ہونا چاہئے۔ تو میں نے داڑھی کو قرآن سے ثابت کردیا وہ اس طرح کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے قصہ میں ہے لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ یعنی میری داڑھی نہ پکڑے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام داڑھی رکھتے تھے۔ میں نے کہا کہ اس کو سُن کر وہ سائل کیا بولا۔ کہنے لگے کہ وہ مان گیا میں نے کہا کہ اس سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوتا ہے وجوب کہاں ثابت ہوا تو آپ کیا جواب دیتے کہنے لگے کہ اس کو اتنی عقل کہاں تھی کہ یہ پوچھتا۔ سو آج کل مجیبوں نے یہ طرز اختیار کر رکھا ہے۔مگر سمجھو کہ یہ بنیاد کو کھوکھلی کرنا ہے اگر ایسی بنیاد پر مکان بنائیں گے تو بہت جلد مکان گر پڑے گا۔ مثلاً اگر وہ اُسی وقت یہ کہہ دیتا کہ اس سے تو داڑھی کا صرف وجود ثابت ہوا وجوب کیسے ثابت ہوا۔تو اب اُن کے پاس کیا جواب تھا۔تو اگر ایسے جواب دیے جاوینگے تو اُس پر شبہات ہونگے اور اُس سے سائل سمجھے گا کہ شریعت کے دلائل ایسے ہی ہوتے ہیں سو اس طرز کے اختیار کرنے میں یہ ضرر ہے۔ پس اصلی جواب یہ ہے کہ تم کو اس کے کہنے کا منصب نہیں ہے کہ قرآن سے ثابت کرو۔ ہم چاروں دلیلوں میں سے جس دلیل کو چاہیں گے ثابت کریں گے۔

ایک جماعت آجکل نکلی ہے کہ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن سے ہر چیز ثابت ہے حدیث کچھ نہیں پہلے ایک جماعت فقہ کی منکر نکلی تھی۔ یہ حدیث کے منکر

(۱) جواب دینے والوں کو۔

نکلے اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں میں لوگ کہنے لگیں لولا یکلمنا اللّٰہ ’’اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے‘‘ کہ ہم اُس وقت مانیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کلام کریں۔

ہر مسئلہ کو قرآن سے ثابت کرنے کا بے ڈھنگا انداز

ایک مرتبہ ایسے شخص جو کہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہر چیز قرآن سے ثابت ہے ایک صاحب نے پوچھا کہ رکعات کی تعداد کہاں سے ثابت ہیں تو وہ نہ بتلا سکے۔لیکن ایک دوسرے صاحب نے بتلایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (۱) کہ اس میں اعداد رکعت کی طرف اشارہ ہے کہ بعض نمازیں دو رکعت والی ہیں اور بعض تین اور بعض چار رکعت والی میں نے کہا کہ فضول اتنی دور گئے اول ہی کے پاروں میں ہے ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (۲) اگر ایسا ہی ثبوت ہے تو اس کو پیش کر دیا ہوتا۔ پھر اس کو تو کچھ جوڑ بھی ہے کہ جیسے نماز ہمارا فعل ہے ایسے ہی نکاح بھی ہمارا فعل ہے اگر چہ یہ جوڑا ایسا ہے جیسے ایک مولوی نورالحسن واعظ تھے انہوں نے کہیں وعظ کہا وعظ میں ایک دیہاتی بھی شریک تھا۔اُس نے پوچھا کہ مولوی تیرا کیا نام ہے انہوں نے کہا نورالحسن اُس نے کہا اور باپ کا کیا نام ہے کہا مہدی الحسن یہ سن کر آپ کہتے کیا ہیں کہ نون لہسن کا تو جوڑ ہے مگر مہدی لہسن کا تو کچھ جوڑ نہیں۔تمہارے نام میں تو جوڑ ہے لیکن تمہارے باپ کا نام بے جوڑ ہے۔تو ایسا ہی یہ جوڑ ہے۔غرض کہ ہر بات کا ثبوت قرآن سے دیں گے تو کہیں نہ

(۱) ’’تمام تر حمد اللہ کے لائق ہیں جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں‘‘ (۲) ’’نکاح کرو عورتوں سے جتنی کہ اچھی معلوم ہوں تم کو دو دو اور تین تین اور چار چار‘‘ سورۃ النساء:۳۔

کہیں تو ضرور تھکیں گے اور ایسا تھکیں گے کہ اتنا بھی نہ بنے گا۔ مثلاً کہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں اس کو قرآن سے کس طرح ثابت کریں گے۔ غرض علماء جو ہر بات کا جواب دیتے ہیں۔ تو بعضوں میں تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ ہم کو کوئی بے علم نہ سمجھے۔

طالب علم کے ہر سوال کا جواب دینے کا نقصان

جیسے بعض پڑھانے والوں نے بھی یہ وتیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ بعض مرتبہ طالب علم محض اپنی ذہانت ظاہر کرنے کے لئے سوال کرتا ہے تو اس کو برابر جواب دیے جاتے ہیں تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اول تو وقت ضائع ہوگا۔ دوسرے وہ طالب علم بھی برابر جواب دینے کا سبق لیکر جاویں گے۔ حتیٰ کہ اگر کبھی کوئی غلط مسئلہ منہ سے نکل جاوے گا تو اس کے اندر بھی وہ تاویلیں کریں گے۔ اپنی غلطی کا اقرار کبھی نہ کریں گے۔ چنانچہ ایک صاحب نے رضاع(۱) کے مسئلہ میں غلطی کی اور جب اور علماء نے اُس پر متنبہ کیا تو آپ نے اُس غلطی پر اصرار کیا۔ اور اُس کی تائید میں ایک رسالہ لکھا اور اپنے استاد کے پاس لئے گئے کہ اس پر دستخط کر دیجئے اُن کے استاد نے کہا کہ یہ مسئلہ تو غلط ہے کہنے لگے کہ اب تو منہ سے نکل گیا ہے اب تو تصدیق کر ہی دیجئے میری آبرو رکھ لیجئے انہوں نے کہا کہ شاگرد کی خاطر ایمان تو نہیں کھویا جاتا غرض یہ کہ مجیب کو چاہئے کہ سائل کے مذاق کا اتباع نہ کرے مصلحت دینیہ کو دیکھے۔

بعض علماء کے اسرار بتلانے کی وجہ

غرض بعض تو اس لئے بات کا جواب دیتے ہیں تا کہ اُن کو کوئی بے علم نہ سمجھے اور بعض کو یہ وجہ ہوئی ہے کہ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی تسلی نہ کی تو یہ ہم کو خلیق نہ سمجھیں گے مگر یہ بھی غلطی ہے اور بعض لوگوں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ یہ طریقہ

(۱) عورت کا دودھ پینے کی بنا پر حرمت ثابت ہونے کے مسئلہ میں۔

مضر ہے[1] بلکہ وہ اس کو مفید سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سائل کی تسلی ہو جاوے اگر یہ ہے تو طبابت[2] کی غلطی ہے۔ کیونکہ اس سے مصالح مستقبلہ[3] ضائع ہوتے ہیں اور فساد کی جڑ پیدا ہوتی ہے تو ایسا نہ کرنا چاہئے تو یہ مرض عوام میں کچھ تو بڑھا ہوا تھا ہی کچھ مجیبوں کی خوش اخلاقی سے بڑھا۔ تو ان کو چاہئے کہ دلائل ہرگز نہ بتلاویں۔ ہاں اگر کسی کو اس میں شبہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے یا نہیں تو اس کو سمجھا دے۔

داعی کے معنی

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مرض چونکہ بہت بڑھ رہا ہے اس لئے اس کا علاج کرنا مقصود ہے اور وہ علاج مذکور ہے لفظ داعی میں اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت پڑی ورنہ اس مجمع میں اس کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ جب آپ اس کو سنیں گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کے مخاطب آیت میں کفار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو منادی نہ سمجھتے تھے پس مسلمانوں کو اس کا مخاطب بنانا جو کہ آپ کو منادی سمجھتے ہیں نہایت درجہ شرم کی بات ہے۔ کیونکہ منادی اعتقاد کرنے والے کو اس خطاب کی ضرورت ہی کیا ہے غرضکہ داعی کے معنی ہیں منادی کے چنانچہ دوسرے مقام پر منادی فرمایا ہے اور یہ خدا کا فضل ہے کہ ایسا لفظ مل گیا کہ ترجمہ اپنی زبان میں کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ اردو میں لفظ منادیٰ خود مستعمل ہے۔ سو دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ یعنی وہ یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم نے ایک منادیٰ کرنے والے کو سنا کہ وہ ندا کر رہا ہے اور منادی کرنے والے اس واسطے کہا کہ ہمارے محاورے میں منادیٰ مصدر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ تو دیکھئے اس آیت میں منادی فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ منادی اور داعی ایک ہی بات ہے۔

---

(۱) نقصان دہ (۲) حکمت کی غلطی (۳) مستقبل کی مصلحتوں کا ضایع ہوتا ہے۔

اکرامِ منادی

منادی سے مراد بھی حضور ﷺ ہیں اور یہاں بھی حضور ہی مراد ہیں تو لفظ داعی سے اس بات کو بتلا دیا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے ساتھ کیا عمل کرنا چاہئے ایک مختصر لفظ میں بہت بڑی بات بتلائی اور وہ ایسی صاف بات ہے کہ روزمرہ دیکھتے ہو۔ مثلاً ابھی کوئی شخص سامنے سے یہ کہتا ہوا نکلے کہ صاحب کلکٹر کا یہ حکم ہے۔ تو آپ کی کیا حالت ہوگی ظاہر ہے کہ دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُس شخص کو جھوٹا سمجھا اور سرکاری حکم ہونے کا یقین نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ اُس کو سچا سمجھا اور یقین ہوگیا کہ یہ سرکاری حکم ہے۔ خواہ یہ یقین کسی وجہ سے ہو عقل سے ہو یا اس وجہ سے کہ اُس کو آپ جانتے ہیں کہ معتبر شخص ہے یا اس وجہ سے کہ اُس کو کہتے ہوئے پولیس سن رہی ہے اور کسی نے اُس کو روکا نہیں یا کلکٹر کے بنگلہ سے کہتا ہوا نکلا تو معلوم ہوا کہ یہ سرکاری منادی ہے۔

خبر واحد پر عمل کرنے کی وجہ

اور یہاں سے ایک اور بات یاد آ گئی حدیث میں ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوا تو قبا میں اُس وقت خبر ہوئی جبکہ لوگ صبح کی نماز میں تھے ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ اب کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ہوگیا ہے۔ وہ سنتے ہی کعبے کی طرف پھر گئے یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ پہلا حکم تو قطعی تھا۔ اور یہ دوسرا خبر واحد سے معلوم ہوا جو کہ ظنی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم ظنی حکم قطعی کا ناسخ نہیں ہوسکتا پھر اہلِ قبا نے اس خبر پر کیسے عمل کیا تو میری اس تقریر سے اس کا جواب ہوگیا کہ کلکٹر کے بنگلہ سے کہتا ہوا نکلا۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ یہ خبر بھی قطعی تھی کیونکہ قطعیت صرف خبر

دینے والوں کی تعداد ہی سے نہیں ہوتی بلکہ قرائن مقامیہ سے بھی ہوتی ہے اور وہ قرینہ اس جگہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک شخص علی الاعلان حضور ﷺ کی نسبت ایسا کہے کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے۔ اس طرح جھوٹ کہنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوسکتی۔

نبوت کے دو دلائل معجزات اور اخلاق

نیز اس میں دلائل نبوت کا بھی ذکر ہوگیا کہ جب ایک شخص دعویٰ نبوت کا کرے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اُس کی تکذیب نہ ہو بلکہ معجزات اُس کے ہاتھ پر ظاہر فرما کر اور اُس کی تصدیق کردی جائے تو وہ واقعی نبی ہے۔ یہ حقیقت ہے نبوت پر معجزات سے استدلال کی اور دوسرا استدلال اخلاق سے بھی ہوتا ہے کہ اُس شخص کے اخلاق ایسے ہوں کہ غیر محقق میں نہ پائے جاسکتے ہوں چنانچہ حضور اکرم ﷺ میں نبوت کی دونوں دلیلیں ہیں معجزات بھی اور اخلاق بھی اور تمام انبیاء کو بھی یہ دونوں دلیلیں دی گئی تھیں۔ بس حضرات انبیاء کی یہ شان ہے۔

با ہر عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو اصحاب معنی را(۱)

ان حضرات کو جیسا کہ حسن باطنی دیا گیا ہے۔ ایسا ہی حسن ظاہری بھی عطا ہوا ہے۔ ان کی صورت ہی دیکھ کر یقین ہوجاتا تھا کہ یہ جھوٹے نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے ایمان لانے کو کہا تو انہوں نے فوراً مان لیا کسی معجزہ کا انتظار نہیں کیا۔ خیر اُن کی تو بڑی شان ہے حضرت عبداللہ بن سلام نے بھی ایسا ہی کیا۔ گو کچھ سوال بھی کئے مگر یقین صورت دیکھتے ہی ہوگیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: فلما تبینت وجه عرفت انه لیس بوجه کذاب ”جبکہ آپ کا

---

(۱) تیرے عالم حسن کی بہار دل وجاں کو تروتازہ رکھتی ہے۔ رنگ سے ظاہر پرستوں کے دل وجان اور بو سے حقیقت پرستوں کے ۱۲ص۔

چہرہ انور دیکھا تو مجھ کو یقین ہوگیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا ۱۲اص‘‘۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بینی باشی اگر اہلِ ولی(۱)

تو جب نورِ حق ولی میں ہو تو نبی میں کیوں نہ ہوگا اس کے ترجمے میں کہتے ہیں ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذیشعور

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾(۲)

تو ان حضرات کو معجزات کی ضرورت ہی نہیں ہوئی اور بعض کو معجزات کی ضرورت ہوئی غرض حضور ﷺ کے دلائل دونوں طرح کے ہیں معجزات بھی اور اخلاق بھی خیر یہ تو طبعاً بیان ہوگیا۔

منادی کے ساتھ برتاؤ

مقصود یہ تھا کہ سرکاری منادی کو سنکر دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ منادی(۳) کے سچے ہونے کا یقین نہ ہو سو ایسے شخص پر تحقیق کرنے کا کچھ تعجب نہیں کہ اس کے سچے ہونے کی تحقیق کرے دوسری حالت یہ ہے کہ یقین ہوگیا کہ یہ منادی حاکم کی طرف سے ہے تو اب رعیت ہونے کی حیثیت سے حق کیا ہے، کیا یہ کہ اُس منادی سے جا کر اُلجھیں تو ضرور باغی کہلائیں۔ اگر آپ دوسرے کو ایسا سوال کرتے دیکھیں تو کیا اُس سائل کو نادان نہ کہیں گے کیا آپ ہی اُس سے نہ کہیں گے کہ کیا پاگل ہوا ہے۔ یہاں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ سرکاری حکم میں لم کیف(۴) کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔ خاص کر منادی سے اُلجھنا کہ یہ تو سراسر حماقت ہے پر ہم تو محکوم ہیں، جو حکم سن لیا مان لو بس ہو چکا، تو صاحبو! کتنے غضب کی

(۱) ولی میں انوار الٰہی نمایاں ہوتے ہیں مگر اس کا ادراک اہلِ دل کو ہوتا ہے ۱۲اص (۲) اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان ظاہر ہیں ۱۲اص (۳) پکارنے والا (۴) چون و چرا ۱۲اص۔

بات ہے کہ حکام مجازی کے ساتھ تو سب کا یہ معاملہ ہے کہ چون وچرا کرنا ناجائز ہے صرف سنکر مان لینا چاہیئے اور بس۔ لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اُلجھتے ہیں اور جو جواب کہ سرکاری حکم کے اندر چون وچرا کرنے والے کو خود دیتے ہیں اگر یہی جواب کوئی عالم دے تو اُس کو جواب سے عاجز بتلاتے ہیں۔

احکام الٰہی کی علتیں دریافت کرنے والوں کے لئے جواب

بڑے غضب کی بات ہے۔ صاحبو ہم نے حق تعالیٰ کے احکام سمجھادیئے دلائل کیوں سمجھائیں اول تو ہم بآواز دہل(۱) کہتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہی نہیں۔ اگر صاحب جج کسی واقعہ کی رو سے مقدمہ ہرادیں اور ملزم کے اس سوال پر کہ اس قانون کی کیا وجہ ہے جواب دیں کہ ہم واضع قانون نہیں ہیں ہم تو عالم قانون ہیں۔ تو یہ جواب معقول ہوگا یا نہیں خواہ وہ اُس کی وجہ جانتا ہی ہو۔ مگر منصب کے اعتبار سے اُس کو یہ کہنے کا حق ہے۔ پس اگر ایک عالم بھی یہی جواب دے کہ ہم وجہ اور سبب نہیں جانتے ہیں۔ ہم قانون کے واضع نہیں ہیں تو کیوں معقول نہیں سمجھا جاتا۔ ایک بزرگ سے کسی نے ایک ایسی بات پوچھی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں بلبل چہ گفت گل چہ شنید وصبا چہ کرد(۲)

صاحبو! اگر آپ کا کوئی نوکر خانگی امور کے مصالح دریافت کرنے لگے تو کیسا ناگوار ہوگا۔ اگر آپ نے نوکر کو حکم دیا کہ کچوریاں لاؤ اب اگر وہ کہے کہ بازار میں شیرمال بھی ہے اور مٹھائی بھی ہے۔ پھر آپ کچوری ہی کیوں منگاتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرے تو آپ ضرور اُس پر ناراض ہوں گے اور اُسے گستاخ

(۱) بآواز بلند (۲) کس کی ہستی ہے جو باغبان سے یہ دریافت کرے کہ بلبل نے کیا کہا گل نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا۔ یعنی کسی کی کیا مجال ہے جو احکام الٰہی کے اسرار اور حکم دریافت کرے ۱۲ ص۔

بتلائیں گے۔ اللہ اکبر آپ کا نوکر تو آپ کے حکم میں چون و چرا کرنے سے گستاخ ہو جاوے اور آپ خدا تعالیٰ کے حکم میں چون و چرا کرنے سے گستاخ نہ ہوں بلکہ محقق شمار ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا اپنے ذمے اتنا بھی حق نہیں سمجھا جاتا جتنا کہ اپنا حق اپنے نوکر کے ذمے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس علاقہ (۱) پر جو نوکر کے ساتھ ہے نوکر کے اس سوال کو جائز نہیں سمجھتے اور خدا اور رسول سے اپنے اس سوال کو ضروری سمجھتے ہیں اور آقا جو اپنے حکم کی وجہ نہیں بتلاتا تو کیا وہ جانتا نہیں ضرور جانتا ہے۔ مگر نہیں بتلاتا اسی طرح خدا تعالیٰ نہیں بتلاتے اور رسول بھی جانتے ہیں مگر نہیں بتلاتے اور عالم بھی کچھ جانتے ہیں مگر نہیں بتلاتے اور عالم کا تو جاننا ضروری بھی نہیں جو اُس سے احکام کی علل (۲) کا مطالبہ کیا جاوے لیکن خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو حکم اور اسرار پر مطلع بھی کر دیتے ہیں۔ مگر مصالح دینیہ کی حفاظت کے لئے پھر بھی اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتدِ راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۳)

کوئی ایسی بات نہیں کہ اُن کو معلوم نہ ہو۔ معلوم ہے مگر نہیں بتلاتے۔

سوال کا جواب

اور اگر کوئی کہے کہ گو آپ کے ذمے ضروری نہیں ہے لیکن پھر بھی بتلا دو تو اگر خلاف مصلحت نہ سمجھیں گے بتلا بھی دیں گے مگر جبکہ پہلے اُن علوم کے مبادی (۴) حاصل کر لو۔

جواب لاجواب

مجھے ایک صاحب گنگوہ میں ملے انہوں نے ایک بات پوچھی۔ جو علم

(۱) اس تعلق پر (۲) علتوں و حکمتوں ۱۲ اص (۳) یعنی ان کو اسرار و حکم کا علم ہے مگر مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے ۱۲ اص (۴) شروع کی باتیں جن پر علوم کا جاننا موقوف ہے ۱۲ اص۔

بلاغت سے تعلق رکھتی تھی۔ میں نے کہا کہ اس کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے لئے علم درسیات کی ضرورت ہے۔ کہنے لگے وہ عالم ہی کیا ہوا جو ہر شخص کو اُس کے مذاق کے موافق نہ سمجھا سکا میں نے کہا آپ تو انجنیر ہیں۔ اگر ایک سائیس(۱) جو کہ نہ حدود سے واقف ہو نہ اصول موضوعہ سے نہ علوم متعارفہ سے وہ آپ سے کہے کہ مجھے مقالہ اولیٰ(۲) کی پانچویں شکل سمجھا دو تو کیا آپ اُس کی فرمائش پوری کردیں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ کہیں گے کہ تجھے حدود اور علوم متعارفہ تو معلوم ہی نہیں تجھے پانچویں شکل کیسے سمجھا دوں اب وہ کہتا ہے کہ وہ عالم ہی کیا ہوا کہ جو گھس کھدوں کو نہ سمجھا سکے تو آپ اُس کو کس طرح سمجھاویں گے وہ تقریر مجھے بھی سنا دیجئے کہ جس سے آپ اُس کو سمجھا دیں گے کہنے لگے تو اب بڈھے طوطے ہو کر مدرسہ میں پڑھیں میں نے کہا کہ پھر اُس کے سمجھنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔

مسکتِ جواب

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ایک پٹواری نے پوچھا کہ ایک متوفی شخص کا ایک بھتیجا ہے اور ایک بھتیجی تو میراث کس کو ملے گی۔ میں نے کہا کہ بھتیجے کو ملے گی کہنے لگے کہ دونوں برابر کے رشتہ دار ہیں پھر بہن کیوں محروم ہوئی۔ میں نے کہا کہ اگر اس کی وجہ سمجھنا چاہتے ہو تو اول نوکری چھوڑ کر مدرسہ میں پڑھنا شروع کرو جب درسیات پڑھ لو گے پھر ہم اُس کی وجہ سمجھائیں گے۔ بس یہ سن کر چپ رہ گئے۔

علم اسرار کے لئے اہلیت کی ضرورت

اور ایک صاحب تشریف لائے کہ مجھے تقدیر کے مسئلہ میں شبہ ہے اس کی تقریر کردو اور وہ اسکول میں مدرس تھے میں نے کہا کہ تقدیر کے مسئلہ کی تقریر تم نہیں

(۱) گھوڑے کی دیکھ بھال کرنے والا شخص (۲) اقلیدس کا پہلا مقالہ جس میں اقلیدس کے دعوے اور ان کی شکلیں درج ہیں۔

سمجھ سکتے اس کیلئے ضرورت ہے علم کی۔ تم کسی طالب علم کو بلالاؤ۔ اور اُس سے اپنے شبہات ظاہر کردو دیکھو ہم اُس کو سمجھاتے ہیں یا نہیں سمجھاتے۔ غرض یہ کہ اگر اسرار جاننا چاہتے ہو تو اول اُس کی اہلیت پیدا کرلو۔

ایک ڈپٹی کلکٹر بریلی میں بھائی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دلائل تو بہت متعارض ہیں۔ ایک شخص دلائل سے ایک شے کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔ دوسرا دلائل سے اُس کے عدم کو ثابت کردیتا ہے۔ پس دلائل سے تو اطمینان ہو نہیں سکتا کسی بزرگ کا نام بتلاؤ جو ارواح کو دکھلا دے ہمیں آخرت کے وجود میں شبہ ہے۔ ہم ارواح سے گفتگو کرلیں تب ہمیں یقین ہوگا۔ بھائی نے کہا کہ ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے اگر عالم ارواح دیکھنا چاہتے ہو۔ تو اول اپنے اندر اس کی استعداد پیدا کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول ڈپٹی کلکٹر کو چھوڑ دو اور جنگل میں تنہا بیٹھ کر ایک چلہ کھینچو اور اُس میں بہت تھوڑا کھاؤ پھر اس کے بعد میں تمہیں کسی بزرگ کا نام بتلاؤں گا کہنے لگے کہ یہ تو بہت مشکل ہے۔ بھائی نے کہا کہ شرم تو نہیں آتی اتنی بڑی چیز کے طالب اور ذرا سی محنت سے گھبراتے ہو تو یہ آجکل حالت ہو رہی ہے۔ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک صاحب حج کے لئے گئے جب جہاز میں بیٹھے اور سمندر کو دیکھا تو گھبرا گئے اور گھر کو واپس ہوئے۔ تو اس طرح بھلا حج کیسے ہوگا۔

ہر کام طریقے سے ہوتا ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے بمبئی میں کہا کہ دعا کیجئے کہ مجھے حج نصیب ہو فرمایا کہ ایک دن کے لئے اپنے اوپر مجھے پورا اختیار دے دو کہنے لگے اس سے کیا ہوگا میں نے کہا کہ میں ٹکٹ لیکر تمہیں جہاز میں بٹھادوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حج نصیب ہوگا اور اس طرح تو حج ہونے سے رہا کہ میں تو دعا کرتا رہوں اور تم بمبئی بیٹھے رہو۔ غرض یہ کہ ہر کام اُس کے طریقے سے ہوتا ہے فرماتے

ہیں وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کہ گھر کے اندر اُس کے دروازے سے داخل ہو۔ پس اول طالب علمی کرو اُس وقت دلائل سمجھ میں آویں گے اور اس وقت یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر بات سمجھنے کی نہیں ہوتی حتی کہ بعض باتیں جنت میں بھی معلوم نہ ہوں گی جیسے تقدیر کا مسئلہ اور کنہہ باری تعالیٰ کی معرفت تامہ (۱)۔ خوب کہا ہے ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں   کانیجا ہمیشہ باد بدست ست دام ما (۲)

ہاں رویت ہوگی مگر احاطہ اُس کی کنہ کا نہ ہوگا۔ تو جب بعض علوم وہاں بھی مخفی رہیں گے تو یہاں کل کیسے منکشف ہوجاویں۔ پس خدا و رسول کے احکام سن کر بے چون و چرا مان لینا چاہئے اور اس میں لم کیف (۳) نہ کرنا چاہئے۔

مسائل کی علتیں پوچھنے والوں سے ایک سوال

اور میں کہتا ہوں کہ آپ نسخہ میں کیوں ایسا نہیں کہتے کہ میں تو اس وقت عمل کروں گا کہ جب اجزاء نسخہ کی لم (۴) پوری طور پر معلوم ہوجاوے۔ جو برتاؤ آپ احکام شرعیہ میں کرتے ہیں وہ یہاں کس لئے نہیں کیا جاتا بس بات یہ ہے کہ یہاں تو جان بچانا مقصود ہے اور وہاں ایمان بچانا مقصود نہیں۔ غرض یہ کہ حضور ﷺ منادی ہیں اور اب علماء حضور کے نائب ہیں تو جب سرکاری منادی سے وجہ نہیں پوچھ سکتے تو ان سے کیوں پوچھتے ہیں۔

غیر مسلموں کے احکام کی علل پوچھنے پر جواب

اگر کہو (۵) کہ اس لئے پوچھتے ہیں کہ منکروں کو جواب دیں تو میں کہتا ہوں کہ اگر اُس سرکاری نداء کے وقت ایک سرکار کا باغی آوے اور وہ اُس حکم پر اعتراض

---

(۱) تقدیر کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت معلوم نہیں ہوگی (۲) ''جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا جال لگانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے اسی طرح کنہ ذات محبت کا کوئی ادراک نہیں کرسکتا۔ فکر و سوچ بالکل بیکار رہے'' ۱۲ص (۳) چون و چرا ۱۲ص (۴) وجہ (۵) اس عذر کا جواب کہ ہم دلائل منکروں کے سمجھانے کے لئے پوچھتے ہیں۔

کرے تو کیا آپ اُس کو قانون کے اسرار بتلا دیں گے ہر گز نہیں بلکہ یہ کہیں گے کہ اول اس قانون کے واضع کو صاحب سلطنت مانو پھر اُس کے ہر قانون کو مانو۔ اس طرح اگر کوئی غیر مذہب والا ہم سے الجھے تو ہم اول توحید اور نبوت کو دلائل عقلیہ سے ثابت کریں گے اور کہیں گے کہ اب سارے قانون کو مانو۔ یعنی پہلے قرآن وحدیث کا سچا ہونا ثابت کریں گے۔ پھر تمام احکام کا حوالہ قرآن وحدیث پر کر کے بحث کو ختم کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ احکام میں کبھی عقلی گفتگو نہ کیجئے۔ صرف توحید ورسالت میں گفتگو کیجئے اور گو یہ جواب خشک ہے اور مزیدار نہیں مگر سچا جواب یہی ہے۔ سچے جواب میں مزہ کم ہوتا ہے۔ داغ کے شعر پر بہتوں کے سر ہلے ہوں گے مگر حکیم محمود خاں کے نسخہ کو سن کر کبھی کسی صوفی کا سر نہ ہلا ہوگا۔ حالانکہ مفید وہی ہے۔

حکایت

مشہور ہے کہ ایک شخص ایک شاعر کے پاس جایا کرتا تھا وہ کبھی اس کے خوش کرنے کے لئے کہہ دیتا کہ یہ ایک ہزار روپے کا شعر ہے یہ دو ہزار روپے کا شعر ہے۔ بس یہ خوش ہو کر اُسے لکھ لیتا۔ ایک مرتبہ اُس کی ماں نے کہا کہ تو بیکار کام کرتا ہے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں کچھ آمدنی ہو اس نے کہا کہ میں بیکار کیوں رہتا مجھ کو تو بڑی آمدنی ہے کسی روز ہزار روپے کی ہو جاتی ہے اور کسی روز دو ہزار روپے کی ہو جاتی ہے۔ ماں نے کہا کہ اچھا تم ایک آنہ کی ترکاری لا دو۔ بس آپ اپنے اشعار کی کاپی لیکر بازار میں پہنچے اور کنجڑن (۱) سے ایک آنہ کی ترکاری خریدی اور کاپی میں سے ایک شعر نکال کا کہا کہ لو یہ دس روپے کا شعر ہے کنجڑن نے کہا کہ کیسا دس روپے کا شعر تم اُسے اپنے ہی پاس رکھو مجھے تو ایک آنہ دیدو۔ اب آپ

(۱) سبزی فروش۔

بہت گھبرائے کہ لوا سے تو کسی نے ایک آنہ میں بھی قبول نہیں کیا۔ بس آپ استاد کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ واہ حضرت بس معلوم ہوئی آپ کی شاعری کی حقیقت آپ کے شعر کو تو کسی نے ایک آنہ میں بھی نہیں لیا۔ تو اشعار مزیدار تو ہوتے ہیں۔ مگر مفید کچھ بھی نہیں ہوتے۔ سو یہ جواب جو میں نے دیا ہے مزیدار کم ہے۔ مگر ہے بالکل سچا۔ آجکل لوگ مزہ کو ڈھونڈتے ہیں۔ اس لئے ایسے جوابوں کی قدر نہیں کرتے۔

کتا پالنے کا فیشن

میں اپنی ایک حکایت بیان کروں کہ میں شاہجہاں پور سے آتا تھا تو جس درجہ میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس کے درجے میں ایک صاحب جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے اُن کے پاس ان کا نوکر آیا ور کہا کہ وہ نہیں ٹھیرتا انہوں نے کہا کہ اچھا اُسے یہیں پہنچادو۔ نوکر ان کے پاس ایک کتے کو پہنچا گیا آجکل کے فیشن میں کتے کا رکھنا بھی لازمی ہو گیا ہے۔

کیا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو

چنانچہ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار تھے جس درجہ میں وہ جا کر بیٹھے اس درجہ میں ایک جنٹلمین صاحب بھی بیٹھے تھے داڑھی منڈی ہوئی کوٹ پتلون پہنے ہوئے کتا بغل میں مولوی صاحب نے اُن سے سلام علیک نہ کی وہ کہنے لگے کہ مسلمان سے سلام علیک تو ضرور کرلینی چاہیئے مولوی صاحب نے کہا کہ میں تم کو مسلمان نہیں سمجھا تھا۔ وہ کہنے لگے کیوں میرے اندر کونسی ایسی بات ہے جس سے آپ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بھلے آدمی داڑھی تمہاری منڈی ہوئی ہے۔ کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہو کتا بغل میں ہے ساری وضع تو کافروں کی سی ہے پھر میں مسلمان کس طرح سمجھتا کہنے لگے

کہ کتا ساتھ رکھنے کی تو یہ وجہ ہے کہ آپ ہی لوگ فرماتے ہیں کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے تو میں کتے کو اس لئے پاس رکھتا ہوں تاکہ ملک الموت میرے پاس روح قبض کرنے کے لئے نہ آویں۔ یہ جواب دے کر وہ بہت خوش ہوئے مولوی صاحب نے کہا کہ صاحب آخر کتے بھی تو مرتے ہیں اُن کی روح بھی تو کوئی فرشتہ قبض کرتا ہوگا وہی آپ کی کرے گا اگر انسان کا ملک الموت آپ کے پاس نہ آسکے گا تو کتے کا ملک الموت تو آسکے گا۔ آپ کتے کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔

کتا پالنے کی حرمت کی وجہ

غرض آجکل کتا رکھنا داخل فیشن ہوگیا ہے۔ سو اُن صاحب کے پاس ملازم کتا پہنچا گیا تھوڑی دیر کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ صاحب کتا ایسا وفادار جانور پھر کیا وجہ کہ اس کا پالنا ناجائز ہے میں نے کہا کہ اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر قومی ہمدری نہیں ہے۔ پہلا جواب تو ان کو پسند نہ آیا۔ لیکن دوسرا جواب سنکر پھڑک گئے کہنے لگے کہ ہاں صاحب یہ ہے جواب۔ میں نے کہا خاک پتھر ہے۔ جواب تو اصل وہی ہے کہ نھانا عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم (۱) ہم تو حضور کے غلام ہیں ہمارا مذہب تو یہ ہونا چاہئے کہ

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت ازکارے تو (۲)

اور ہماری یہ حالت ہونی چاہئے ؎

زندگی کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو (۳)

---

(۱) ہم کو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ص ۱۲ (۲) زبان سے اقرار کرنا چاہئے مصلحتیں اور حکمتیں نہ ڈھونڈھنا چاہئیں ۱۲ ص (۳) زندگی عطا کریں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر قتل کریں تو آپ پر قربان ہیں دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ تصرف کریں ہم ہر طرح راضی ہیں ۱۲ ص۔

اتباع کی ضرورت

یہ تو ایک موٹی سی بات ہے کہ بدون اتباع محض کے کام نہیں چلتا مثلاً عساکر(۱) لڑ رہے تھے اگر عین موقعہ پر افسر لڑنے کا حکم دے اور سپاہیوں کے ذہن میں یہ آوے کہ اس وقت مناسب نہیں تو کیا اس صورت میں افسر کی عدول حکمی سپاہی کو جائز ہو جاوے گی(۲) ہر گز نہیں حضرت اگر اس مذاق پر فوج کے لوگ عمل کریں تو کیا درست ہے اگر یہ درست ہے تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ اس کو سپاہ میں پھیلا دیا جائے کہ بے سمجھے ہر گز کوئی کام نہ کرو۔ اگر فوج اس پر عمل کرنے لگے تو کبھی فتحیاب نہ ہو پس معلوم ہوا کہ دنیا کا بھی کوئی کام بے اتباع کے نہیں چل سکتا۔ اور آپ دین میں بھی اتباع نہیں کرتے حالانکہ دنیاوی معاملات میں تو خلاف کی کسی قدر گنجائش بھی ہے دیکھئے بعض مرتبہ سپاہی افسر سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ ایک ہی تاریخ میں افسر ماتحت اور ماتحت افسر ہو جاتا ہے تو ماتحت علم میں بڑھا ہوا ہے یا اتنا متساوی ہے(۳) کہ اسی تاریخ میں افسر ہو گیا۔ تو جب ماتحت کو باوجود مساوی ہونے یا بڑھے ہوئے ہونے کے چون وچرا کرنے کی اجازت نہیں تو ہمارے علم کو تو خدا تعالیٰ کے علم کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں۔ جب سمجھنے والے کو مزاحمت کا منصب(۴) نہیں تو نہ سمجھنے والے کو کیا ہوگا احکام خداوندی میں ہم کو وہی معاملہ کرنا چاہئے کہ جو اس وقت سرکاری منادی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر اسی وقت حکم ہو کہ بارہ بجے کے بعد سب منتشر ہو جاؤ تو بلا چون(۵) وچرا سب منتشر ہو جاویں تو منادی دنیا کے ساتھ جب یہ معاملہ کرتے

(۱) لشکر (۲) حکم نہ ماننا سپاہی کو جائز ہوگا (۳) برابر (۴) مخالفت کرنے کی اجازت نہیں (۵) بلا حیل وحجت جمع شدہ سب لوگ الگ الگ ہو جائیں گویا دفع ۱۴۴ لگا دی جائے۔

ہیں تو منادی دین کے ساتھ کیوں یہ معاملہ نہیں کرتے تو لفظ داعی (۱) سے اس مرض کا علاج کیا ہے۔

موضوع وعظ کی ضرورت واہمیت

اب آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مجھے اس مضمون کے بیان کرنے سے کیوں شرم آتی تھی ایسی موٹی بات کو سمجھانے کی ضرورت پڑی جس کو عام لوگ اپنے حکام کے ساتھ برت (۲) رہے ہیں واقعی کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ مگر ضرورت مجبور کرتی ہے۔ آجکل لوگوں کا مذاق فاسد (۳) ہورہا ہے۔ اس لئے اس کا بیان کرنا ضرور معلوم ہوا تو الحمدللہ لفظ داعی علاج ہے اسی مرض کا۔ کتنا بڑا مرض اور ایک لفظ کے اندر اُس کا علاج۔ جب اطبائے کاملین مفرد دوا سے علاج کرتے ہیں تو خدا کے کلام میں کیوں نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ علماء کو منادی دین سمجھئے اور اُن کے ساتھ وہ برتاؤ کرلئے جو سرکاری منادی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور مخالف کو سمجھانے کے عذر کا میں جواب دے چکا۔

اب ایک شبہ (۴) جو کہ مجھ پر سندھ میں کیا گیا تھا آجکل لوگ عقل پرستی کا زمانہ بتلاتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اِکل پرستی (۵) کا زمانہ ہے فہم کی اس قدر کمی ہے کہ ایک معمولی بات بھی نہیں سمجھ سکتے غرض انہوں نے عقل سے نکال کر یہ شبہ کیا کہ آپ نے جو مثال دی ہے گورنمنٹ کی تو آپ کو خبر نہیں کہ گونمنٹ کے قانون میں اول ایک مسودہ ہوتا ہے اُس میں سب کو اجازت دی جاتی ہے کہ اپنی رائے ظاہر کریں اُس وقت جو میں نے جواب اُن کو دیا تھا وہ تو مجھ کو یاد نہیں مگر اب کہتا ہوں کہ میں نے جو مثال دی گورنمنٹ کے قانون کی وہ اس تشبیہ کے معنی نہیں سمجھے

(۱) پکارنے والا (۲) حکام سے معاملہ کرتے ہیں (۳) مزاج بگڑھ گیا ہے (۴) یہ شبہ کہ قانون کے مسودہ میں ہر ایک کو اپنی رائے ظاہر کرنے کی اجازت ہوتی ہے تو احکام شرعیہ میں بھی اس کی اجازت ہونی چاہئے (۵) آج کل لوگ پیٹ کے پجاری ہیں۔

مطلب میرا یہ ہے کہ جہاں حکم قطعی ہوتا ہے گورنمنٹ کا وہاں نہیں بولتے اور جہاں بولتے ہیں وہاں بولنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی ایسا بہادر ہو کہ باوجود حکم قطعی کے بھی اُس میں چون وچرا کرے(۱) تو پھر میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے احکام میں تب بھی چون وچرا نہیں کی جاسکتی آپ نے دونوں کو برابر سمجھ لیا ہے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء(۲) کیونکہ یہاں تو احتمال ہے کہ شاید گورنمنٹ نے ہماری مصالح کی رعایت نہ کی ہو اس لئے چون وچرا کرتے ہیں لیکن اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ مصالح کی پوری رعایت کی ہے تو پھر بولنے کی گنجائش نہیں تو کیا خدا تعالیٰ پر بھی یہ شبہ ہے اگر ہے تو بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(۳) پس اس مثال پر اگر شبہات ہوتے ہیں تو لیجئے میں مثال بدلے دیتا ہوں(۴) ایک باپ اور دو سالہ بچہ ہے باپ حکم دیتا ہے دودھ چھڑا دینے کا بوجہ ماں کے مرض کے، جب دودھ چھوٹتا ہے تو بچہ کیسا مچلتا ہے اور ماں کو دشمن سمجھتا ہے اور ماں کیا کرتی ہے کہ ایلوا(۵) لگاتی ہے اور اگر نہیں مانتا تو مارتی ہے۔ اُس وقت بچہ سمجھتا ہے کہ پکی دشمن یہ ہے اور وہ شخص جو بچہ کا دشمن ہو اور کہے کہ پلا بھی دو تو بچہ اُس کو دوست سمجھے گا۔ تو اگر بچہ کا یہ سمجھنا غلط ہے تو کیا وجہ غلط ہونے کی، اگر آپ کو اور کوئی وجہ معلوم نہ ہو تو محض اس وجہ سے کہ باپ بچہ کی مصلحت کو زیادہ سمجھتا ہے، بچہ کی رائے کو غلط سمجھتے ہیں۔ حالانکہ باپ بھی بشر ہے(۶) اُس سے غلطی ہونا ممکن ہے۔

---

(۱) حیل وحجت (۲) ایک بات تو پکڑلی اور بہت سی باتوں کو چھوڑ دیا ص۱۲ (۳) یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے ۱۲ ص (۴) احکام کے دلائل اور اسرا نہ سمجھ سکنے کی تائید ایک مثال سے (۵) اپنے پستان پر کڑوی دوا لگا لیتی ہے تاکہ بچہ دودھ نہ پئے (۶) انسان ہے۔

تو خدا تعالیٰ کا علم تو ہم سے بہت ہی زیادہ ہے کہ ہمارے علم کو اُس کے ساتھ کچھ نسبت ہی نہیں ہے اتنے تھوڑے تفاوت میں تو آپ نے فیصلہ کرلیا کہ بچہ غلطی پر ہے اور اتنے بڑے تفاوت (۲) میں آپ فیصلہ نہیں کرتے غضب کی بات ہے اور جب آپ وہیں کہتے ہیں کہ اگر بچہ سمجھنا بھی چاہے تو نہیں سمجھ سکتا تو پھر آپ یہاں یہ کیوں نہیں خیال کرتے کہ مصالح اور علل (۳) احکام کے ہم نہیں سمجھ سکتے ؎

حدیثِ مطرب و می گو راز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس نکشود نہ کشاید بحکمت ایں معمارا (۴)

اب اس مثال پر وہ شبہ نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ سے تو بعضے لوگ اُلجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اُلجھنا بھی جائز ہو اور گورنمنٹ سے جو بعضے لوگ اُلجھتے ہیں تو وجہ یہی ہے کہ گورنمنٹ کو تو معلوم نہیں ہے کہ اُن کی ضروریات کیا ہیں۔ اس وجہ سے کبھی قانون کے اندر اُن کی رعایت میں فروگذاشت (۵) ہوجاتی ہے مثلاً پہلے سرکاری ملازموں کو جمعہ کے واسطے چھٹی نہیں ہوتی تھی جب اس کے لئے درخواست دی گئی اور اہمیت ظاہر کی گئی تو گورنمنٹ نے کہا کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ اتنی ضروری بات ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی نسبت تو یہ احتمال نہیں کہ شاید اُن کو ہماری کسی ضرورت کی خبر نہ ہو۔ پس یہ شبہ بھی جاتا رہا۔

سمع وطاعت اختیار کرو

خلاصہ یہ ہے کہ سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں کہ سمعنا واطعنا (۶) کہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست را ۔۔۔ جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ (۷)

---

(۲) فرق (۳) احکام الٰہی کی حکمتیں اور علتیں ہم نہیں سمجھ سکتے (۴) محبت ومعرفت احکام الٰہی پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہو اور اسرار وحکم احکام میں تلاش نہ کرو۔ حکمت سے یہ معمہ نہ کسی سے حل ہوا اور نہ ہوگا ۱۲ اص (۵) کوتاہی (۶) سنا ہم نے اور اطاعت کی ۱۲ اص (۷) فہم وخاطر تیز کرنا یہ حق تک پہنچنے کی راہ نہیں ہے بلکہ شکستگی کی ضرورت ہے۔ بجز شکستہ دلوں کے فضلِ خداوندی کسی کو قبول نہیں کرتا ۱۲ اص۔

ہرکجا پستی ست آب آنجارود　　ہر کجا مشکل جواب آنجارود(۱)
ہر کجا دردے دوا آنجارود　　ہر کجا نجے شفا آنجارود (۲)
سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　آزموں را یک زمانے خاک باش(۳)

ابتک بہت مزاحمتیں کی ہیں اور دیکھا کیا ظلمت پیدا ہوئی۔ اب اطاعت کر کے دیکھو کیا نور پیدا ہوتا ہے ۔

در بہاراں کے شود سر سب سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ برنگ (۴)
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش　　ہمچو او باگر یہ وآشوب باش(۵)

شاید کوئی کہے کہ ہم تو ناز کرتے ہیں ۔ چنانچہ بعض کو یہ خبط ہوتا ہے تو فرماتے ہیں ۔

نازرا روئے بباید ہمچو درد　　چوں نداری گرد بدخوئے مگرد(۶)
عیب باشد چشم نا بیناؤ باز　　زشت باشد روئے نازیباؤ ناز (۷)

(۱) یعنی جس جگہ پستی ہوتی ہے اُسی طرف کو پانی جاری ہوتا ہے۔ جہاں مشکل پیش آتی ہے اُسی جگہ جواب کی ضرورت ہوتی ہے ۱۲اص (۲) جہاں درد ہوتا ہے وہیں دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جہاں بیماری ہوتی ہے شفا کی خواہش ہے۔ اسی طرح جہاں اطاعت وشکستگی ہوتی ہیں وہیں نور پیدا ہوتا ہے اور فضل خداوندی ہوتا ہے ۱۲اص (۳) سنگ دلخراش تو مدت سے بنے رہے ہو بھلا آزمائش ہی کی نظر سے تھوڑے دنوں خاک بن کر دیکھو ۱۲اص (۴) بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے خاک ہوجاؤ تاکہ رنگ برنگ کے پھول پیدا ہوں یعنی تکبر کو چھوڑ کر اتباع نہ کرو گے تو فیضان الٰہی سے محروم ہو گے ۱۲اص (۵) یعنی جب تم یوسف (یعنی مطلوب) نہیں ہو تو یعقوب یعنی طالب رہو اور ان کی طرح گریہ واشوب یعنی دود وطلب میں رہو ۱۲اص (۶) ناز کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوئی کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ یعنی جب تم مخصوصین میں سے نہیں ہو تو تم کو ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ نیازمند ہو کر رہو ۱۲اص (۷) یعنی جس طرح کور چشم کا کھلا ہونا عیب ہے اور بدصورت ہو کر ناز کرنا برا ہے اسی طرح ناقصین کو ناز کرنا نازیبا ہے ۱۲اص۔

حکایت

ناز پر مجھے یاد آگیا کہ ایک شخص تھا گنوار اُس نے ایک گھوڑے کو ناز کرتے ہوئے دیکھا اور مالک اُس کو پیار کررہا تھا آپ نے کہا کہ آج سے ہم بھی ناز کریں گے۔ بس آپ گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ ہمیں گھوڑا بناؤ وہ بھی ایسی ہی تھی کہنے لگی اچھی بات ہے اور انہیں رسی سے باندھ دیا اور ایک جھاڑو پیچھے باندھ کر دم لگادی۔ پھر آپ نے کہا کہ اب ہمیں دانہ کھلاؤ اُس نے دانہ لاکر سامنے رکھا۔ بس آپ نے ناز کرنا شروع کیا کبھی اس طرف منہ پھر لیتے ہیں کبھی اس طرف منہ پھیر لیتے ہیں کبھی دولتیاں پھینکتے ہیں(۱)۔ اتفاق کی بات وہاں قریب ہی میں آگ بھی تھی جب آپ نے بہت دولتیاں پھینکیں تو جھاڑو میں آگ لگ گئی بیوی نے شور مچانا شروع کیا کہ ارے دوڑو کہ میرا گھوڑا جلا جاتا ہے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اس کے یہاں گھوڑا کہاں ہے یہ ویسے ہی ہنسی کرتی ہے اس وجہ سے کوئی نہ گیا۔ بس آپ جل کر رہ گئے تو حضرت بعض ناز ایسا بھی ہوتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد   چوں نداری گرد بدخوی مگرد(۲)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ مخصوص نہیں تو نیاز مند ہوکر رہنا چاہئے گستاخی نہ کرنا چاہئے واللہ یہ کھلی ہوئی بغاوت ہے کہ خدا کا حکم سن کر کہیں کہ یہ کیوں ہوا۔

شبہ کا جواب

اب اگر کوئی کہے(۳) کہ ہم جو اعتراض کرتے ہیں تو مولویوں پر کرتے ہیں خدا تعالیٰ پر نہیں کرتے کیونکہ ہمارا گمان یہ ہے کہ مولویوں نے یہ مسئلے گڑھ لئے

(۱) کبھی دولتی مارتے ہیں (۲) یعنی ناز کے لئے خصوصیت وکمال کی ضرورت ہے جب تم ناقص ہو تو ناز نہ کرنا چاہیئے ۱۲ اص (۳) یہ شبہ کہ ہم اللہ اور رسول کے حکم پر اعتراض کرتے بلکہ مولیوں پر کرتے ہیں اس کا جواب۔

ہیں تو سنئے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہائی کورٹ سے فیصلہ ہو اور امین (۱) آ کر قرقی کر دے اور آپ اس سے الجھیں اور کہیں کہ یہ فیصلہ غلط ہوا ہے مجھے تسلیم نہیں جب اس کی وجہ سے آپ پر مقدمہ قائم ہو تو آپ عدالت میں جائیں اور یہ کہیں کہ میں نے پارلیمنٹ پر اعتراض نہیں کیا بلکہ میں نے ہائیکورٹ کے ججوں پر اعتراض کیا ہے کہ وہ قانون کو سمجھے نہیں تو کیا یہ عذر آپ کا مسموع (۲) ہوگا ہر گز نہیں۔ ضرور آپ کو یہی جواب ملے گا کہ یہ عتراض حقیقت میں پارلیمنٹ ہی پر ہے کیونکہ پارلیمنٹ ہی نے یہ تجویز کر دیا ہے کہ ہائی کورٹ کے جج قانون کو دوسروں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ پس جو مطلب قانون کا وہ سمجھیں پارلیمنٹ کا وہی حکم ہے تو اسی طرح علماء ورثۃ الانبیاء (۳) ہیں اللہ اور رسول کے قانون کو وہ زیادہ سمجھتے ہیں اگر ان کے ساتھ آپ اُلجھتے ہیں تو وہی نتیجہ ہوگا جو کہ ہائی کورٹ کے جج کے ساتھ اُلجھنے سے ہوتا ہے کیونکہ جب ہائیکورٹ کے جج کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے تو یہ علماء کیا اپنے گھر سے لائے ہیں ۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست (۴)

یہ بھی جو کہتے ہیں حدیث وقرآن سے کہتے ہیں پھر ان سے کیوں اُلجھتے ہو۔ ہم لوگ مولوی کہلاتے ہیں مگر ہم کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ہم ملکی قوانین کو نہیں جانتے تو اوروں کو یہ کہتے ہوئے کیوں شرم آتی ہے کہ ہم علوم شرعیہ میں ماہر نہیں اور جیسا کہ جب ہمیں ضرورت ہوتی ہے بلا تکلف وکلاء سے دریافت کر کے عمل کر لیتے ہیں ایسا ہی اور لوگ وقت ضرورت مسئلہ شرعیہ ہم سے پوچھ کر عمل کر لیا کریں اور جب ہم اُن سے نہیں اُلجھتے تو اور لوگ ہم سے کیوں اُلجھیں۔

---

(۱) دروغہ (۲) کیا یہ عذر سنا جائے گا بالکل نہیں (۳) انبیاء کے وارث (۴) یعنی علماء اپنی گھر سے کوئی حکم نہیں لائے جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ خدا ورسول کا فرمودہ بیان کرتے ہیں ۱۲ اص۔

یہ اعتراض کہ مولوی کسی کام میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوتے

آجکل لوگ کہتے ہیں کہ مل کر کام کرنا چاہئے مولوی چونکہ الگ الگ رہتے ہیں اس لئے ترقی نہیں ہوتی میں کہتا ہوں کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مولوی آپ کے ہر بات میں تابع ہوکر رہیں سو اس طرح تو وہ آپ کے شریک ہو نہیں سکتے۔ مل کر اگر کام کرنا چاہتے ہو تو طریقہ سے کرو اور اس کا فیصلہ میں نے یہ کیا ہے کہ جو ہم کو معلوم نہ ہو وہ ہم آپ سے پوچھ کر کریں اور جو آپ کو معلوم نہ ہو وہ آپ ہم سے پوچھ کر کریں۔ طریقہ تو تمدن کا یہ ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ علوم شرعیہ میں بھی آپ ہی کی رائے کو مانا جاوے۔ کیونکہ جیسا کہ قانون کے سمجھنے میں ہم غلطی کریں گے ایسا ہی علم شریعت میں آپ غلطی کریں گے آپ ہی بتلائیے کہ جس نے پچاس برس دین کی خدمت کی ہو وہ دین کو زیادہ سمجھے گا یا جس نے دین کی خدمت ہی نہیں کی یا کی ہے مگر کم وہ زیادہ سمجھے گا عجب بات ہے کہ مقدمات تو سب صحیح اور نتیجہ غلط ہجے تو تبت اور رواں بطخ ہمارے بھائی(۱) مقدمات تو سب مانتے ہیں مگر نتیجہ مسلم نہیں غرض یہ کہ علماء جو مسئلہ بتلائیں وہ خدا اور رسول ہی کا حکم ہے اس پر اعتراض کرنا خدا و رسول ہی کے حکم پر اعتراض کرنا ہے۔

عوام پر علماء کا اتباع لازم ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ علماء سے غلطی نہیں ہوتی غلطی ہوتی ہے۔ مگر جب تک کہ وہ

(۱) جیسے جب ہجے کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں تا با زَبَرْ تَبْ باتا زَبَرْ بَتْ اور جب اس کو رواں پڑھتے ہیں تو بطخ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے بھائی مقدمات تو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان مقدمات کو ملانے سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

خود اپنی غلطی کو نہ سمجھیں آپ کو حق نہیں کہ اُس کو غلط سمجھ کر رد کر دیں۔ اگر علماء سے غلطی ہوگی تو علماء ہی اس کو سمجھیں گے اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ہر مولوی کے معتقد ہو جاؤ ہر بات کو مان لو ہاں جس پر بھروسہ ہو اور اطمینان ہو اس کا اتباع کرو ہاں جو خود صاحب علم ہو اور کسی بات کو سمجھنا چاہے تو اس کو حق ہے سمجھنے کا لیکن جن کو علوم دینیہ کی مہارت نہیں ہے ان کو یہی چاہئے کہ علماء کا جو فتویٰ ہو اُس پر عمل کر لیا کریں اور سمجھ میں آوے یا نہ آوے چون و چرا نہ کریں۔ ہاں اگر اسی بات میں شبہ ہو کہ یہ حکم شریعت کا ہے بھی یا نہیں تو اس کی تحقیق کر لیں اگر ایک عالم سے تسلی نہ ہو دوسرے سے معلوم کر لیں یہ ہے مضمون اس لفظ داعی میں کوئی مضمون باہر سے نہیں لیا گیا۔

توحید کے ساتھ اقرار رسالت بھی ضروری ہے

اسی کو کہہ رہے ہیں یٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یعنی کہنا مانو اللہ کے منادیٰ کا اور اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ تو اٰمنوا یہ تفسیر ہے اجیبوا کی کہ کہنا کیا مانو یہ مانو کہ اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ اور اٰمنوا بہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ داعی پر ایمان لاؤ اور یہ معنی زیادہ چسپاں ہیں کیونکہ وہ جن یہودی تھے حق تعالیٰ کے ساتھ پہلے ہی سے ایمان رکھتے تھے صرف حضور ﷺ پر ایمان نہ لائے تھے اس لئے اُن سے حضور پر ایمان لانے کو کہا گیا۔ اور یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف توحید کا قائل ہونا نجات کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی تصدیق بھی ضروری ہے مسلمانوں کے مجمع میں یہ مضمون بھی مستنبط کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو رسالت کے ماننے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ اصل مقصود توحید ہے۔ اگر کوئی نبوت کا منکر ہو تو ناجی (۱) ہے۔ اس سے آگے اور ترقی کی ہے کہ بلکہ جو توحید کا منکر ہو وہ

(۱) اسکی نجات ہو جائیگی۔

بھی ناجی ہے کیونکہ توحید امر طبعی ہے اور امر طبعی کا کوئی منکر ہو نہیں سکتا جو زبان سے اُس کا انکار کرتا ہے وہ بھی درحقیقت اُس کا قائل ہے خیال تو کیجئے کہ کیا آفت نازل ہو رہی ہے۔

منکر رسالت کا رد

ایک صاحب اس مسئلہ کے قائل مجھے ملے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ اس کے تو آپ قائل ہیں کہ بدون توحید کے نجات نہیں، محض نبوت کے مسئلے میں آپ کو کلام ہے تو سنئے توحید بغیر نبوت کے مانے ہوئے ہو نہیں سکتی۔ پس نبوت کا انکار کر کے توحید بھی نہ رہے گی کیونکہ توحید کے معنی ہیں حق تعالیٰ کو جمیع صفات کمال کے ساتھ متصف ماننا اور ان میں سے ایک صفت صدق بھی ہے۔ تو جب خدا تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ اور آپ نے انکار کیا نبوت کا تو انکار کیا اس فرمان کا اور اس کا انکار صفت صدق کا انکار ہے توحید کا انکار ہو گیا۔ تو اگر اصل مقصود توحید ہی ہو تو تب بھی نبوت کا ماننا اس لئے ضروری ہو گا کہ بغیر اُس کے توحید ہو نہیں سکتی۔ میں نے کہا اس کا جواب آپ قیامت تک نہیں دے سکتے۔

آجکل وہ زمانہ ہے کہ ہر شخص مجتہد بن رہا ہے۔ گو علم دین سے ذرا بھی مس نہ ہو ؎

تو ندیدی گہے سلیماں را چہ شناسی زبان مرغاں را(۱)

اس لئے ضرورت ہے کہ اُن کا جہل ان پر ظاہر کیا جاوے بلکہ مجھے تو اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ مولوی کبھی ایسا بیان بھی کر دیا کریں کہ کوئی نہ سمجھیں

(۱) تم نے سلیمانؑ کو کبھی نہیں دیکھا تم پرندوں کی زبان کیسے سمجھ سکتے ہو یعنی تم نے علم دین کبھی حاصل نہیں کیا تم شریعت کو کیا سمجھ سکتے ۱۲ص۔

تا کہ ان لوگوں کا اپنے فہم پر ناز تو ٹوٹے۔ ایک مرتبہ دیوبند سے ایک وفد علماء کا شملہ گیا تھا۔ میں بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ وہاں ہم میں سے ایک صاحب کا وعظ ہوا۔ وہ مضمون نہایت دقیق تھا۔ اس لئے کوئی نہیں سمجھ سکا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ کوئی نہیں سمجھا اور لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ اس وعظ کی یہاں کیا ضرورت تھی طلباء ہی کے مجمع میں بیٹھ کر تقریر کر دی ہوتی۔ میں نے کہا کہ ہم کو تو دعویٰ توڑنا تھا کہ آپ سمجھ لیں کہ آپ ایسے محقق ہیں کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے وہ لوگ بہت شگفتہ ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی ہمارے مرض کا علاج ہو گیا اور غیب سے علاج ہوا اور یہی بہتر ہے ۔

باشد کہ از خزانہ غیبش و اکندد(۱)

تو اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ بیان میں ایک وعظ تو گٹھل کر دیا(۲) کریں اب غریب علماء تو اپنے اوپر دقت اختیار کر کے آسان کرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ علم دین ہے ہی آسان اس لئے خود بھی مجتہد بننے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ جن چونکہ بوجہ یہودی ہونے کے توحید کے پہلے ہی سے قائل تھے۔ صرف حضور ﷺ کی رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے اٰمنوا بہ کی یہ تفسیر بہت مناسب ہوگی کہ حضور ﷺ پر ایمان لاؤ۔

عمل صالح ایمان کے لئے لازم ہے مع مثال

اور ایک بات یہ بھی سمجھ لینے کی ہے کہ اٰمنوا بہ کے ساتھ واعملوا صالحا(۳) کیوں نہیں فرمایا یہاں سے تو گویا سہارا ملے گا بعض کو کہ ایمان کافی ہے اعمال صالح کی کوئی ضرورت نہیں تو سمجھو کہ اس کے ذکر نہ کرنے سے یہ بتلانا ہے کہ عمل صالح تو

(۱) کبھی غیب سے بھی علاج ہو جاتا ہے ۱۲ ص (۲) مشکل کر دیا (۳) اور نیک کام کرو۔

ایمان کے لئے لازم غیر منفک (۱) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کردو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال یہ دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ کیا میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک تو دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہ ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائشیں کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلو تہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا کہ سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا۔ تو اگر آپ کے سامنے اسکا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے آمنوا بہ (۲) کہنا کافی ہوگیا اور واعملوا صالحا (۳) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ جو خدا رسول کو مانے گا اس کو سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

ایمان وعمل صالح کا ثمرہ

آگے اس کا ثمرہ مرتب کرتے ہیں کہ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ اگر ایسا کروگے تو تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے اس آیت میں مِن یا تو ابتدائیہ ہے کہ گناہوں سے مغفرت شروع ہوگی اور اس میں اشارہ ہے کہ اتصال ہوگا یعنی ایک سیرے سے گناہ معاف ہوتے چلے جائیں گے یا من تبعیضیہ ہو کہ جن گناہوں کا اب تدارک نہیں ہوسکتا مثلاً شرابخوری وغیرہ وہ معاف ہوجائیں گے۔ باقی جن کا تدارک ہوسکتا ہے وہ معاف نہیں ہوں گے جیسے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ہزار

(۱) جدا نہیں ۱۲ اص (۲) اس پر ایمان لاؤ ۱۲ اص (۳) اور نیک کام کرو۔

روپے چھین لئے اور اگلے دن ہو گئے مسلمان تو وہ روپیہ ادا کرنا پڑے گا معاف نہیں ہوگا اب میری تقریر سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا نرے ایمان پر گناہ معاف ہوجاویں گے کیونکہ معلوم ہوگیا کہ ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے اور یہ بھی ایک جواب ہے کہ صرف ایمان پر بھی کبھی نہ کبھی تو مغفرت ہوگی گو دخول نار کے بعد ہی سہی مگر یہ طالب علمانہ جواب ہے آگے فرماتے ہیں وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (۱) اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی لیا جاوے تو عذاب الیم سے عذاب مطلق مراد ہوگا کہ ہر طرح کے عذاب سے پناہ دیں گے اور اگر نرا ایمان لیا جاوے اور اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو تو عذاب الیم سے مراد عذاب مخلد ہوگا کہ ہمیشہ عذاب نہیں ہونے کا۔ یہ تو آیت کی تفسیر ہوگئی۔

جنات کا وجود (۲)

اب اس آیت کے متعلق ایک مسئلہ بھی بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں جنوں کا مکالمہ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کا وجود ہے آجکل اس میں بھی اختلاف ہے اور اختلاف ایسا عام ہوگیا ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہے جیسے ایک مولوی صاحب کے شاگرد بد استعداد (۳) تھے جب وہ کتابیں ختم کر کے جانے لگے تو استاد سے کہنے لگے کہ مجھے کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں لوگ مجھ سے مسئلے پوچھیں گے تو میں کیا بتلاؤں گا استاد نے کہا کہ تم یہ کہدیا کرنا کہ اس میں اختلاف ہے غرض یہ کہ جب وہ وطن پہنچے تو انہوں نے یہی طرز اختیار کیا کہ جو شخص ان سے کوئی مسئلہ پوچھتا وہ یہی کہدیتے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے لوگ اُن کے بڑے

(۱) اور دردناک عذاب سے تم کو محفوظ رکھیں گے ۱۲ اص (۲) آجکل جنوں کے وجود میں یہی اختلاف ہوگیا ہے اور اس پر ایک حکایت (۳) سمجھنے کی صلاحیت کم تھی۔

معتقد ہوئے کہ یہ بہت وسیع النظر ہیں(۱) آخر ایک شخص یہ راز سمجھ گیا اس نے کہا کہ لاالٰـہ الاّ اللّٰـہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں انہیں تو وہی ایک جواب یاد تھا کہنے لگے اس میں اختلاف ہے بس لوگ سمجھ گئے کہ انہیں کچھ نہیں آتا سو اس وقت تو یہ بات ہنسی کی تھی مگر آج سچی ہوگئی کہ لاالٰہ الاّ اللّٰہ میں بھی اختلاف ہے خدا تعالیٰ تو کہیں کہ جن ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں اور بناء انکار(۲) کی کیا ہے، محض یہ کہ ہم نے نہیں دیکھے میں کہتا ہوں کہ جب تک امریکہ نہیں دیکھا تھا کیا اس وقت امریکہ معدوم(۳) تھا یا غیر معلوم تھا سو معدوم تو نہ تھا تو اگر آدمی کسی چیز کو نہ دیکھے تو اس کا نہ دیکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ موجود نہیں تو اگر حق تعالیٰ جنوں کی خبر نہ دیتے تو بھی محض غیر مرئی ہونے(۴) پر انکار کی گنجائش نہ تھی۔ دیکھئے مادہ(۵) کو کسی نے دیکھا نہیں اور پھر مانتے ہیں اور لطف یہ کہ مادہ کو خالی عن الصورۃ(۶) مان کر قدیم مانا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس کو دیکھا ہے ہرگز نہیں بلکہ محض دلیل سے قائل ہوئے ہیں۔ گو وہ دلیل بھی لچر ہے(۷) تو اگر ہم خدا کے فرمانے سے کسی چیز کے قائل ہوں تو کیا ہرج ہے۔

ہر بیماری کو جن کا اثر سمجھنا

ایک اور بات کہتا چلوں کہ جنوں کے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہر بیماری بھی جن ہیں آجکل جہاں کوئی بیماری ہوتی ہے بس لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جن کا اثر ہے اگر یہ خیال ہو کہ جن انسان کے دشمن ہیں اس کے اثر سے کیا تعجب ہے تو سمجھ لو کہ اگر دشمن ہیں تو ہوا کریں خدا تعالیٰ حافظ ہیں فرماتے ہیں: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ

(۱) بڑی گہری نظر ہے (۲) انکار کی وجہ (۳) موجود نہیں تھا (۴) دکھائی نہ دینے کی وجہ سے (۵) ایتھر (۶) یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی خاص شکل وصورت نہیں اور وہ ہمیشہ سے ہے (۷) انتہائی کمزور ہے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾(۱)

پس اگر وہ ضرر پہنچانا بھی چاہیں تو خدا تعالیٰ حفاظت کرتے ہیں ان کی حفاظت عبث نہیں۔مگر عورتوں کے اندر اس کا بہت چرچا ہے کہ ہر مرض کو جن سمجھتی ہیں مگر اکثر تو مکر ہوتا ہے(۲)

حکایت

مجھے مکر پر یاد آیا کہ ایک گاؤں سے خط آیا کہ فلاں شخص حج کر کے آیا ہے اس پر جن ہے رحمت اللہ نام بتلاتا ہے اور جدہ کا رہنے والا بتلاتا ہے لوگوں سے مار مار کر نماز پڑھواتا ہے میں نے سوچا کہ اگر یہ جن نیک ہے تو اس شخص کو کیوں ستاتا ہے اور اگر نیک نہیں تو نماز پڑھنے کو کیوں کہتا ہے میں نے لکھا کہ یہ جن نہیں ہے بلکہ یہ اس کی حرارت اور کچھ شرارت ہے چنانچہ کچھ دنوں بعد وہاں سے خط آیا کہ واقعی اس پر جن نہ تھا بلکہ نماز پڑھوانے کے لئے اُس نے یہ تدبیر کی تھی سو اس نے تو ایک مصلحت کے لئے مکر کیا تھا بعض تو بالکل پریشان کرنے کو اور دھمکی دینے کو کہتے ہیں۔

حکایت

دھمکی پر یاد آیا کہ ایک بڈھے نے مولوی صاحب کے کہنے سے نماز شروع کردی تھی اتفاق کی بات کہ دو چار روز کے اندر اس کے یہاں کئی جانور مر گئے بیٹوں نے کہا کہ بڈھے نے نماز شروع کی ہے خدا خیر کرے آخر سب مشورہ کر کے باپ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ بابا تو نے جب سے نماز شروع کی ہے اس وقت سے گھر پر تباہی آرہی ہے تو نماز چھوڑ دے بڈھے نے کہا کہ میں تو نہیں

(۱)"واسطے اُن کے فرشتے ہیں یکے بعد دیگرے حفاظت کرنے والے بندہ کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۱۲اص (۲) اکثر تو مرض ہوتا ہی نہیں صرف مکاری ہوتی ہے۔

چھوڑتا بیٹے خوشامد کرنے لگے۔ بڈھے نے کہا کہ اچھا اگر میری خدمت خوب اچھی طرح کیا کرو تو چھوڑ دو بیٹوں نے منظور کرلیا۔ غرض بڈھے کی خوب خاطر ہونے لگی اب جب کبھی بڈھے کی خدمت میں کمی ہوتی تو کہتا لائیو میرا کلھڑ (۱) میں وضو کرکے نماز پڑھوں بس یہ سنتے ہی بیٹے ڈر جاتے اور خوشامد کرکے راضی کرلیتے تو جیسے یہ نماز کی دھمکی دیتا تھا ایسے ہی بعض جنوں کی دھمکی نکالتے ہیں اور کہیں مرض ہوتا ہے۔

بھوت تو کوئی چیز نہیں لیکن جنوں کے اثر کا انکار نہیں کیا جاسکتا

اور کہیں واقعی جن بھی ہوتا ہے بعض جگہ تو ایسی قطعی دلیلیں ہیں کہ انکار ہو ہی نہیں سکتا ہمارے اطراف میں ایک الٰہ بخش ہیں کہتے ہیں کہ وہ بھوت ہوگیا ہے خیر یہ تو غلط خیال ہے کیونکہ بھوت کوئی چیز نہیں حضور ﷺ فرماتے ہیں لا غول ولا صفر یعنی نہ آدمی مرکر بھوت ہوتا ہے نہ صفر کی نحوست کوئی چیز ہے مگر جنوں کا انکار نہیں۔ جنوں سے بیشک ایسے واقعات ہوتے ہیں گو بعض لوگوں نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ مگر حدیث میں ہے (اذا تغولت الغیلان نادیٰ بالاذان) یعنی جبکہ جن کی شکل کے اندر ظاہر ہو تو اذان پکار کر کہدے (۲)۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ بعض لوگ طاعون پر اذان کہتے ہیں اور استدلال یہ کرتے ہیں کہ طاعون ہے جن سے، اور تغول جن (۳) کے لئے اذان کہنا آیا ہے۔ تو یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ تغول دفعۃً ہوتا ہے اور اُس سے دفعۃً ہی ضرر پہنچتا ہے تو اگر اس کے لئے نماز کی اذان کا انتظار کریں تو اتنی دیر میں وہ تباہ کردیگا اور طاعون کا ضرر دفعۃً نہیں ہوتا پس اُس میں

(۱) وضوء کا برتن (۲) جس پر جن کا اثر معلوم ہو اس کے کان میں اذان دینی چاہئے اس سے فائدہ ہوگا (۳) جن کی شکل میں ظاہر ہونے ۱۲ص۔

جو جن ہیں وہ نماز مغرب کی اذان سے اور دوسرے اوقات کی نماز کی اذان سے بھاگ جائیں گے تو اس کے لئے مستقل اذان کی کیا ضرورت ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل بات یہ ہے کہ جب حدیث میں اذا تغولت الغیلان ہے تو لاغول کے معنی یہ ہیں کہ آدمی مرکر بھوت نہیں ہوتا اب رہی یہ بات کہ وہ تو مرے ہوئے شخص کا نام بتلاتے ہیں کہ میں فلانا ہوں تو وہ جھوٹ اپنا نام بدل کر بتلا دیتے ہیں۔

ہمزاد کیا ہے؟

اور اگر کہئے کہ وہ اس کا ہمزاد ہے تو سنئے ہمزاد کے معنی لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ انسان کے ساتھ اُس کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ سو یہ تو محض لغو بات ہے حدیث میں اتنا آیا ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے سو اگر ہمزاد اُس کو کہا جاوے تو خیر یہ بات صحیح ہوسکتی ہے اور ہمزاد اس کو اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی ماں سے اُس کے ساتھ ایک وقت میں پیدا ہوا ہے تو اس کا ہمزاد ہو یا اور کوئی جن ہو وہ کہدیتا ہے کہ میں فلاں ہوں تو وہ دراصل اُس شخص کی روح نہیں ہوتی بلکہ وہ جن ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں بھوت کا انکار آیا ہے دوسرے وہ مرکر اما الی الجنة واما الی النار (۱) چلا جاتا ہے تو اسے اس کی فرصت کہاں کہ لوگوں کو لپٹتا پھرے پس وہ درحقیقت وہ شخص نہیں ہے جس کا نام بتلا رہا ہے۔ بلکہ وہ جن ہے اور اسکا نام بتلاتا ہے۔ غرض یہ کہ وہ الہ بخش جاہلوں پر آتا ہے اور وہ جاہل قرآن پڑھنے لگتا ہے۔ اور ایک عجیب قصہ ہے کہ ایک جاہل پر وہ آیا۔ اور اُس کے لئے ایک عامل نے تعویذ لکھا تو وہ کہنے لگا کہ یہ چال تو غلط ہے (۲) پھر غور کرکے دیکھا کہ وہ چال غلط تھی۔

---

(۱) یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف ۱۲ اص (۲) ہندسوں سے جو تعویذ لکھا جاتا ہے اس میں ایک ہندسہ کے بعد جو دوسرے ہندسہ لکھا جاتا ہے اس کی خاص ترتیب ہوتی ہے جس کو چال کہتے ہیں۔

منکرین پر جنوں کے اثر نہ ہونے کی وجہ

اب ایک شبہ یہ ہے کہ جو منکر ہیں ان کو کیوں نہیں لپٹتا تو سمجھو کہ انسان میں ایک قوت دافعہ (۱) بھی ہے اس کا خاصہ یہ ہے کہ اگر یہ تخیل کرے کسی چیز کے دفعہ کا تو وہ چیز اسے نہیں ستاسکتی انسان کی قوت فاعلہ (۲) بھی جن سے زیادہ ہے اور قوت دافعہ (۳) بھی تو اگر کوئی شخص یہ خیال کر کے بیٹھ جاوے کہ مجھے کوئی نہ ستاوے گا تو اس کو کوئی نہیں ستا سکتا اور اگر کوئی کہے کہ پھر اس سے تو منکر ہی اچھے وہ انکار کی بدولت اُن کے ضرر (۴) سے تو بچے ہوئے ہیں۔ پس ہم بھی انکار سے یہ کام لیں تو میں کہتا ہوں کہ ہم آیت الکرسی سے یہ کام کیوں نہ لیں اور سورۂ جن سے کیوں نہ لیں اب بحمد اللہ اس کے متعلق سب باتیں محقق ہوگئیں اب اسمیں یہ تاویل کرنا کہ آیت میں جن سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو چھپ کر قرآن سنا کرتے تھے یہ نری تحریف ہے ذرا کسی تاریخ سے یہ تو بتلاؤ کہ جو چھپ کر قرآن سنا کرتے تھے انہوں نے اپنی قوم میں جا کر اسلام پھیلایا ہو۔

جنات کے جنتی ہونے کی تحقیق

اب وہ مسئلہ بتلاتا ہوں کہ اُس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ اگر جن عمل صالح کریں تو ان کو جنت ملے گی یا نہیں ایک قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ عذاب سے تو بچیں گے لیکن جنت میں جانے کا حکم نہیں کیا جا سکتا اور اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ایمان لانے پر مغفرت اور عذاب سے نجات کا وعدہ ہے جنت کا وعدہ نہیں تو امام صاحب نے بہت احتیاط کی ہے کہ جس کی تصریح نہ تھی اس میں توقف فرمایا اصل قول تو امام صاحب کا اتنا ہے اور یہ بھی احتیاط کی بنا

(۱) دفع کرنے کی طاقت (۲) کسی کو متأثر کرنے کی قوت (۳) تأثر کو دور کرنے کی طاقت (۴) نقصان۔

ہے کہ اثبات (۱) بھی نہ کریں اور انکار بھی نہ کریں مگر اب مشہور قول یہ ہے کہ وہ جنت میں نہ جاویں گے باقی پھر کہاں ہوں گے۔ تو اس کے متعلق مختلف احتمال ہیں۔ بعض نے ارض جنت میں کہا ہے۔ یہ ہے امام صاحب کے مذہب کا حاصل مگر جو میری سمجھ میں آتا ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ ظاہرا یہ امام صاحب کی احتیاط ہے اور یہ بھی ثابت نہیں کہ اخیر تک امام صاحب اسی قول پر رہے کیونکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جن اچھے عمل کریں گے تو جنتی ہونگے۔ میں تو اس کو قریب قریب قطعی سمجھتا ہوں ایک تو سورۂ رحمٰن میں جنت کی نعمتیں ذکر کر کے فرمایا ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتیں دونوں ہی کو ملیں گی نیز یہ بھی فرمایا کہ ﴿لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ (۳) تو اگر جن کا احتمال ہی نہ تھا تو یہ کیوں فرمایا اور اس سے بھی صاف لیجئے کہ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ تو دو فریق فرماتے ہیں تیسرا فریق نہیں فرمایا اور یہ یقین ہے کہ دوزخ سے بچے رہیں گے۔ تو اب اگر وہ جنت میں نہ جاویں تو تیسرا فریق ہونا لازم آتا ہے نہ وہ فریق فی الجنۃ (۶) میں داخل ہوئے نہ فریق فی السعیر (۵) میں۔

اعراف کے مکین

اب رہی یہ بات کہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اعراف میں بھی رہیں گے پس تیسرے فریق کا بھی ثبوت ہوا مگر یہ شبہ بہت جلد زائل ہوجاوے گا۔ کیونکہ اُسی مقام پر فرماتے ہیں: ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ

(۱) ثابت بھی نہ کریں (۲) پھر تم (اے جن وانس) اپنے رب کی کونسی نعمت کا انکار کرتے ہو (۳) یعنی حوروں کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے ۱۲ص (۴) جنت کے فریق ۱۲ص (۶) دوزخ کے فریق۔

وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾(۱) اس میں دو تفسیریں ہیں ایک تو وہ جو میں اختیار کرتا ہوں کہ یہ اہلِ اعراف کا قول ہے وہ دوزخیوں کو چڑانے کے لئے اہلِ جنت کے بارے میں کہیں گے کہ ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَايَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ﴾(۲) قِيْلَ لَهُمْ " دیکھو انہیں یہ کہہ دیا گیا کہ" اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ "تم جنت میں چلے جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہوگے"۔

دوسرا ایک قول اور ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل اعراف کے لئے اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ سو اس آیت میں تو دونوں احتمال ہیں۔ مگر میں دوسری آیت سے استدلال کرتا ہوں فرماتے ہیں: ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قف لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴾(۳) اس سے معلوم ہوا کہ اہل اعراف کو جنت میں داخل ہونے کی امید ہوگی اور عالم آخرت عالم انکشاف حقائق ہے وہاں غلط امید نہیں ہوسکتی دوسرے استدلال اور ہے کہ سورۂ حدید میں ہے: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ط بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴾(۴) مگر اس سے قبل سمجھئے کہ حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ ہونگے ایک وہ کہ اُن کے حسنات زیادہ ہونگے سیئات سے وہ تو جنت میں جائیں گے دوسرے وہ جن کے سیئات اور حسنات برابر ہوں گے یہ لوگ اعراف میں

(۱) "تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں نہ تم رنجیدہ ہوگے" ۱۲ اص (۲) کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں کرے گا (۳) "ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ السلام علیکم۔ ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہونگے اور اس کے اُمیدوار ہوں گے ۱۲ اص (۴) پھر ان کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب میں عذاب ہوگا ۱۲ اص۔

ہونگے اب سنئے بِسُوْرٍ لَّـہٗ بَـابٌ کو مفسرین نے بالاجماع اعراف کہا ہے تو اُس کے دوزخ میں ایک طرف عذاب ہے اور ایک طرف رحمت ہے تو وہاں دونوں طرف کا اثر ہے اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ مومن میں سے جو جاویں گے وہ گناہوں کی سزا ملنے کے بعد جنت میں جاوینگے تو اہلِ اعراف جو ان سے اصلح حالاً ہیں (۱) وہ کیوں جنت میں نہ جاویں گے۔ اور گفتگو اُن جنوں میں ہورہی ہے جو صالح ہوں ہاں اس کے ہم بھی قائل ہوں گے کہ جنوں میں بھی تین قسم کے لوگ ہوں گے اُس میں سے ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہیں جن کے حسنات وسیئات برابر ہوں گے اور وہ اولاً اعراف میں ہونگے مگر کچھ دنوں کے بعد پھر جنت میں جاوینگے۔

اعراف کے میکنوں کے بارے میں غلط فہمی

اور اس اعراف کے متعلق ایک اور بات یاد آئی جو عوام میں مشہور ہے اور بالکل غلط ہے وہ یہ کہ رستم اور نوشیروان اور حاتم طائی یہ سب اعراف میں رہیں گے۔ لوگوں کو بھی عجیب حالت ہے اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں گویا یہ اس محکمہ کے حاکم ہیں کہ اُن کے اختیار میں ہے جس کو جہاں چاہیں بھیج دیں خوب سمجھ لو کہ اگر ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو محض سخاوت یا شجاعت یا عدالت کی وجہ سے جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ کسی کے اندر کتنی ہی خوبیاں ہوں جب تک ایمان نہ ہوگا سب بیکار ہیں۔ مجھے یہ شعر یاد آتا ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد (۲)

---

(۱) جن کا حال ان سے بہتر ہے (۲) محبوب وہ نہیں جو پتلی کمر اور عمدہ بال رکھتا ہو بلکہ محبوبیت ایک آن اور ادا میں ہوتی ہے ۱۲ اص۔

مسلمانوں کی پسندیدہ صفت جو سبب ہے نجات کا

آجکل بعض لوگ کفار کی ظاہری خوبیاں دیکھ کر اُن کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر سمجھئے کہ ان کا ایک ایمان سب کے مقابلہ میں ہے ان میں ایک ایمان کی آن ایسی ہے کہ اُس کے مقابلہ میں دوسروں کی ساری خوبیاں ہیچ ہیں کیونکہ ؎

شاہد آں نیست کہ موئی و میانے دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد (۱)

ایک شخص نے مجھ سے خود اپنا مرض بیان کیا کہ مجھکو ایک عورت سے تعشق ہوگیا ہے میں نے کہا کہ وہ عورت خوبصورت ہے کہنے لگا کہ میں اُس کی ایک آن پر عاشق ہوا ہوں تو جو آن پر عاشق ہو اُس سے یہ کہنا کہ اسکی ناک تو چپٹی ہے حماقت ہے۔ آپ تعجب کریں گے کہ بعض کو بڈھوں کے ساتھ بھی عشق ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ لیلےٰ بڑھیا ہوگئی تھی مگر مجنوں اُسی کے پیچھے دیوانہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کے حسن پر عاشق نہ تھا کیونکہ ؎

عشقہائے کز پئے رنگ بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود (۲)

تو بات کیا ہے لیلےٰ میں کوئی آن تھی جو مجنوں کو پسند آگئی تھی ورنہ صورت تو اُس کی یہ تھی ؎

گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی — کز تو مجنوں شد پریشان و غوی (۳)

از دیگر خواباں تو افزوں نیستی — گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی (۴)

---

(۱) محبوب وہ نہیں جس کے عمدہ بال اور پتلی کمر ہو بلکہ محبوب وہ ہے جس کے ایک آن اور ادا ہو ۱۲ اص (۲) جو عشق محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں ہوتا محض ننگ و نام ہوتا ہے ۱۲ اص (۳) لیلےٰ سے خلیفہ نے پوچھا کہ تو وہی ہے جس سے مجنوں پریشان اور عقل گم کردہ ہوگیا ہے ۱۲ اص (۴) دوسرے حسینوں سے تو کسی بات میں زیادہ تو ہے نہیں پھر یہ کیا بات ہے۔ اُس نے جواب دیا جب تو مجنوں نہیں تو خاموش ہی رہ ۱۲ اص۔

تو مسلمانوں کی یہ ادا جس کو ایمان کہتے ہیں ایسی ہے کہ حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے آپ وہ دوسرے اخلاق کو لئے پھرتے ہیں۔ تو حاتم طائی وغیرہ میں گو اخلاق تھے لیکن اگر ایمان نہ تھا تو اللہ میاں کو یہ اخلاق نرے پسند نہیں تو اُن کے لئے زبردستی اعراف تجویز کرنا یہ غلطی ہے۔ غرض اعراف کا ذکر اس پر آ گیا تھا کہ بعض لوگوں نے جنوں کو اعراف میں کہا ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اول نظر میں ممکن ہے فرما دیا ہو۔ یہ ہے میرا خیال اس کے متعلق خیر یہ تو متعلقات تھے۔

اتباع اور انقیاد کے منافع

اب میں اصل مقصود کا پھر اعادہ کرتا ہوں اور بیان کو ختم کرتا ہوں کہ غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائب داعی ہیں تو اُن کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو کہ داعی سے کرتے ہو۔ پھر میں ایک بشارت دیتا ہوں کہ اگر اُن کا اتباع کر کے عمل کرو گے تو دو دولتیں ملیں گی ایک تو حلاوت اعمال میں کہ وہ مغنی (۱) ہوگی اسرار کے دریافت کرنے سے اُس مزہ میں ایسے مستغرق ہوں گے (۲) کہ پھر اسرار کی طرف توجہ بھی نہ کریں گے۔ دوسری دولت یہ نصیب ہوگی کہ جن اسرار پر مرتے پھرتے ہیں اُن کا دروازہ بھی کھلے گا۔ پھر آپ حکماء اُمت سے اور فقہائے امت سے ہونگے۔ اور یہ کمال تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کسی دوسرے عالم سے زائد پڑھا تھا نہیں پھر اُن میں کیا بات تھی۔ یہی تقویٰ کی برکت تھی۔ حدیث میں ہے کہ من عمل بما علمہ اللہ علم اللہ مالم یعلم (۳) مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) بے پرواہ کرنے والی ۱۲ اص (۲) ایسے ڈوب جاؤ گے (۳) جو شخص کہ عمل کریگا اُس علم کے ساتھ جو خدا تعالیٰ نے اس کو سکھلایا ہے تو سکھلائیں گے اس کو اللہ تعالیٰ وہ کہ نہیں جانتا ہے ۱۲ اص۔

بنی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید واوستا(۱)

اب میں ختم کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور میں کہتا ہوں کہ اگر دین کی ضرورت سے نہیں تو تمدن ہی کی ضرورت سے ان حجتوں کو ترک کرو اس سے ہمارے اجتماع کا شیرازہ منتشر ہے(۲) جب تک آپ اس لِمَ اور کَیفَ (۳) کو نہ چھوڑیں گے مذہب کو نہیں پکڑ سکتے اور جب تک مذہب نہ ہوگا اجتماع نہ ہوگا۔ یہی راز ہے ہماری پریشانی کا اب دعا کرو خدا عمل کی توفیق دے۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعین (۴)

---

(۱) بے کتاب و بے معین واستاد کے انبیاء جیسے علوم اپنے اندر پاؤ گے ۲ا ص (۲) بکھرتا ہے (۳) کیوں اور کیسے کے سوالات ترک نہیں کر سکتے (۴) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ۔